ماہنامہ
دخترانِ اسلام
لاہور
اکتوبر 2025ء

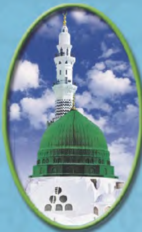

مقامِ ولایت اور اثباتِ کرامات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ایمان افروز خصوصی خطاب

الرَّوضُ البَاسِم مِن خُلُقِ النَّبِيِّ الخَاتَم ﷺ

مصطفوی معاشرے کی تشکیل کا مکمل نصاب

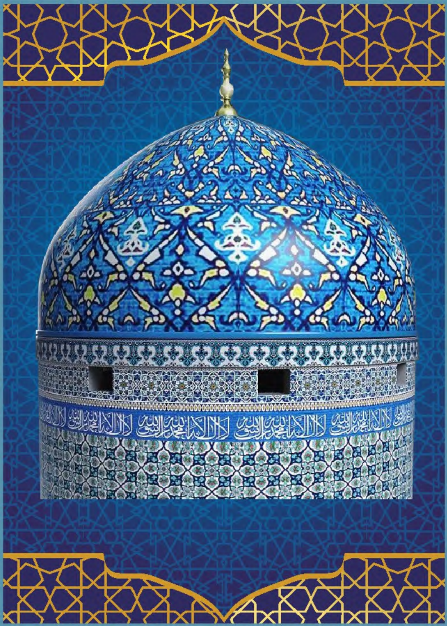

قربِ الٰہی کی کنجی

آدابِ مدحت سرائی

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام 42 ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس (ایوانِ اقبال لاہور)

پاکستان بھر میں منعقدہ میلاد النبی ﷺ کانفرنسز میں منہاج القرآن ویمن لیگ کی مرکزی قیادت کی شرکت

منہاج القرآن ویمن لیگ مدھرے تحصیل پھالیہ کے زیر اہتمام

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 32 شمارہ: 9 / ۱۴۴۷ھ / ربیع الثانی / اکتوبر 2025ء

زیرِ سرپرستی

بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر

قرۃ العین فاطمہ

فہرس

ادارِیہ (سیلاب کی تباہ کاریاں اور ہماری ذمہ داریاں)		06
خطاب مقامِ ولایت اور اثباتِ کرامات	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	08
معجزاتِ مصطفی ﷺ	ارشاد اقبال	14
مصطفوی معاشرے کی تشکیل کا مکمل نصاب	ڈاکٹر محمد اقبال چشتی	19
قربِ الٰہی کی کنجی	ارشاد اقبال	23
آدابِ مدحت سرائی	انیسہ بی بی	28
آدابِ دوستی	فاطمۃ الزہراء	35
امام ابو حامد غزالیؒ کا تعارف	عائشہ صدیقہ	41
استحکامِ خاندان میں عورت کا کردار	آمنہ محمود	50
فقہی مسائل (استحاضہ کے احکام)	دار الافتاء منہاج القرآن	54
گلدستہ: آپ ﷺ کا پیکرِ جمال (سیریز)		59
Allah's Call Answers the Cries of Lonely Souls	(Ayesha Batool)	64
The Philosophy of Pardah	(Quratul Ain Zainab)	69

مجلس مشاورت

لبنیٰ مشتاق

ارشاد اقبال اعوان

جویریہ افضل

نور اللہ صدیقی

ڈاکٹر شاہدہ مغل

ڈاکٹر فرخ سہیل

مسز فریدہ سجاد

ڈاکٹر محمد اقبال چشتی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، سعدیہ کریم

جویریہ سحر ش، جویریہ وحید

ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام، جویریہ افضل

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبد السلام

فوٹوگرافی: قاضی محمود الاسلام

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلِ اشتراک

قیمت فی شمارہ -60 روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری -700 روپے

رابطہ ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور | فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info

E-mail:sisters@minhaj.org

فرمانِ الٰہی

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡهُمۡ تُرِیۡدُ زِیۡنَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَکَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا. (الکهف،١٨ : ٢٨)

”(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزو مند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں، کیا تو (ان فقیروں سے دھیان ہٹا کر) دنیوی زندگی کی آرائش چاہتا ہے، اور تو اس شخص کی اطاعت (بھی) نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔“

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنۡ سَهۡلِ بۡنِ سَعۡدِ السَّاعِدِيِّ ﷺ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُوۡلَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلۡتُهُ أَحَبَّنِيَ اللهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ. فَقَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ: ازۡهَدۡ فِي الدُّنۡيَا يُحِبَّکَ اللهُ، وَازۡهَدۡ فِيۡمَا فِي أَيۡدِي النَّاسِ يُحِبُّکَ النَّاسُ. رَوَاهُ ابۡنُ مَاجَه وَالۡحَاكِمُ وَالۡبَيۡهَقِيُّ. وَقَالَ الۡحَاكِمُ: هَذَا حَدِيۡثٌ صَحِيۡحُ الإِسۡنَادِ

”حضرت سہل بن سعد ساعدی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جسے کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبت ہو جا، اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہوجا، لوگ بھی تجھ سے محبت کریں گے۔“

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص ۳۷۷)

خواب

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

(علامہ محمد اقبالؒ)

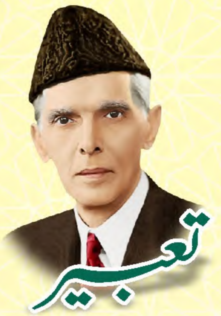

تعبیر

مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اتحاد، یقینِ محکم اور تنظیم ہی وہ بنیادی نکات ہیں جو نہ صرف یہ کہ ہمیں دنیا کی پانچویں بڑی قوم بنائے رکھیں گے بلکہ دنیا کی کسی بھی قوم سے بہتر قوم بنائیں گے۔ (کراچی، 28 دسمبر 1938ء)

تکمیل

جب دین کی قدریں مٹ رہی ہوں، اس وقت انسان صرف اپنے آپ کو، اپنی نیکی اور صلاح کو محفوظ رکھ لے، اپنی زندگی میں خیر کو محفوظ رکھ لے اور دوسرے آگ میں جلتے رہیں اور گناہ کے سیلاب میں غرق ہوتے رہیں تو ایسا شخص کامل مسلمان نہیں ہوسکتا۔ وہ اللہ کے حضور جوابدہ ہوگا کیونکہ اسے جہاں اپنی مسلمانی بچانی ہے وہاں اسے دوسرے کی مسلمانی بھی بچانی ہے۔ اپنی زندگی میں نیکی اور صلاح کو محفوظ رکھتے ہوئے دوسرے کی زندگی میں بھی نیکی اور صلاح کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہی محمدی اخلاقیات کا راستہ ہے جس کا تعین ہم نے اپنے لیے کرنا ہے۔

(فرموداتِ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

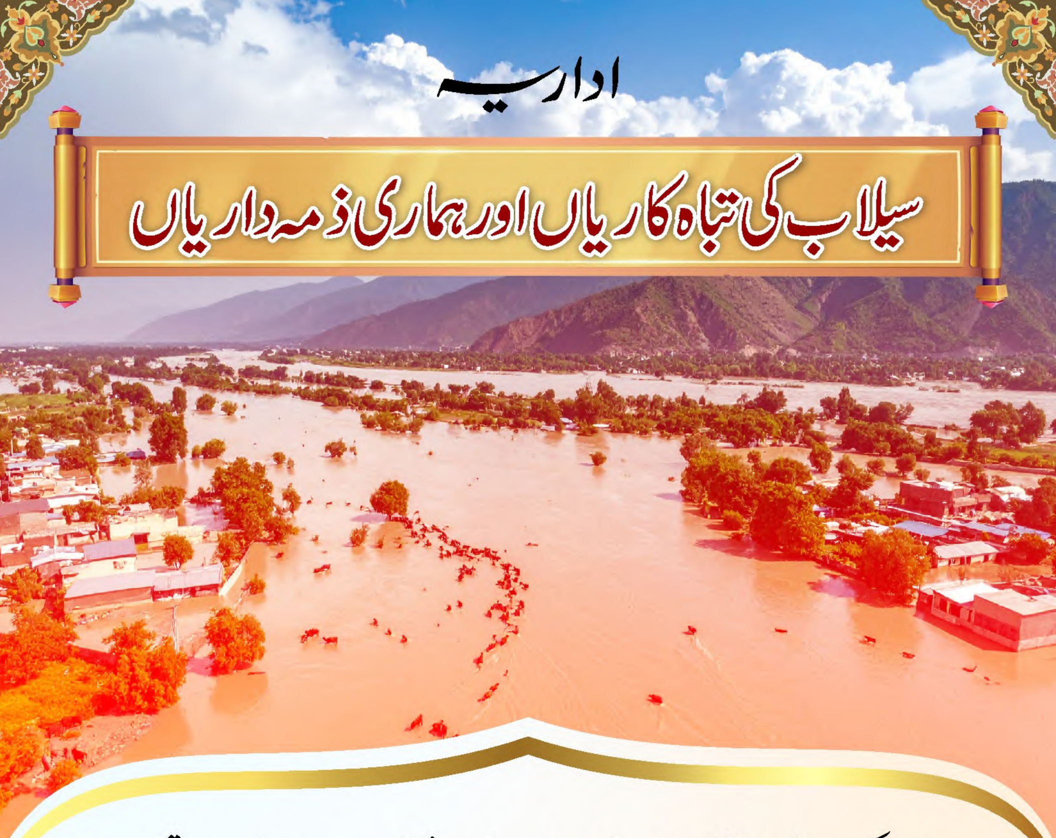

اداریہ

سیلاب کی تباہ کاریاں اور ہماری ذمہ داریاں

امسال ملکی تاریخ کا خوفناک سیلاب آیا، سیلاب کے پانی کے بے رحم ریلوں اور تھپیڑوں نے لاکھوں خاندانوں کو بے گھر کر دیا، لاکھوں کاشتکاروں کی تیاری فصلیں پانی میں بہہ گئیں، لوگوں کے گھر، اشیائے ضروریہ سمیت پانی میں بہہ گئے، درجنوں قیمتی جانیں لقمہ اجل گئیں، سوشل میڈیا پر دکھی انسانیت کو آہ و بکا کرتے ہوئے دیکھا، بلاشبہ سیلاب کی تباہی نے ایک نسل کو بری طرح متاثر کیا ہے، ہمارا ایمان ہے کہ تمام آسانیاں اور آزمائشیں منجانب اللہ ہوتی ہیں اور ہر حال میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے، ہر تنگی کے بعد آسانی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے قیام مکہ کے دوران تاریخ کی اذیت ناک تکالیف کا سامنا کیا، طائف کی وادی میں بدبختوں کے ہاتھوں زخم کھائے، شعب ابی طالب کی محصوری کے دکھ جھیلے، ہجرت مدینہ کی تکلیف اٹھائی، ایک طویل تاریخ ہے مگر ہر موقع پر آپ ﷺ نے اللہ سے صبر اور استطاعت مانگی اور پھر اس صبر پر اللہ رب العزت نے بھی فرمایا" اور (اے حبیب مکرم!) ان باتوں سے غمزدہ نہ ہوں) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھیے، بے شک آپ (ہر وقت) ہماری آنکھوں کے سامنے (رہتے) ہیں۔" آزمائشوں میں صبر سے کام لینا حضور نبی اکرم ﷺ کی سُنت مبارکہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا؟ یا رسول اللہ! جب غزوہ

اُحد کے دن آپ پر کافروں نے سنگ باری کی، گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ نرم و نازک رخسار زخمی ہو گئے، دندان مبارک شہید ہو گئے اور جسدِ اقدس سے خون بہنے لگا۔ کیا آپ ﷺ کی زندگی میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی تکلیف کا مقام آیا؟ اِس پر آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! تم غزوہ اُحد کی تکلیف کی بات کرتی ہو، اللہ کی عزت کی قسم! اس سے بھی کئی گنا بڑھ کر تکلیف وہ تھی جو طائف کے بازاروں میں پتھروں کی بارش میں ہوئی۔ مجھ پر اتنی سنگ زنی کی گئی کہ میرے لیے قدم اُٹھانا دشوار ہو گیا تھا۔ جیسے ہی میں قدم اٹھاتا تو کفار میرے ٹخنوں کا نشانہ لے کر پتھر برساتے۔ لیکن آپ ﷺ نے ظلم کا بازار گرم کرنے والوں کے لئے بد دعا نہ کی۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو ظلم کرنے والوں کی نسلوں کے نشان بھی مٹ جاتے۔ بلاشبہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے مشعل راہ اور نمونہ حیات ہے۔ قدرتی آفت سیلاب کی تباہی سے بچنا انسانوں کے بس میں نہیں تاہم سیلاب کی تباہی سے دو چار ہونے والوں کی مدد اور بحالی کے لئے ہم اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن دکھی انسانیت کی مدد اور خدمت کے لئے دن رات کوشاں ہے، ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن اول روز سے سیلاب متاثرین کی مدد اور بحالی کے لئے کوشاں ہے، متاثرین کو کھانا فراہم کرنے، انہیں طبّی امداد دینے اور گھروں کی تعمیر جیسے منصوبہ جات کے ذریعے انسانیت کی جو خدمت کی جارہی ہے وہ ہر اعتبار سے مثالی ہے۔ جو لوگ سیلاب متاثرین کی براہ راست مدد نہیں کر سکتے وہ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن جیسے خدمت کے قابل اعتماد ادارے کے ذریعے دکھی انسانیت تک اپنی مدد پہنچا سکتے ہیں۔ ایک تکلیف تو وہ ہے جو سیلاب متاثرین گھروں کے بہہ جانے کے بعد اٹھاتے ہیں اور ایک تکلیف مستقل بیروزگاری، معذوری اور معاشی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس تکلیف سے نمٹنا بھی ازحد ضروری ہے، تنہا کوئی حکومت قدرتی آفات سے متاثر ہونے والوں کو پاؤں پر کھڑا نہیں کر سکتی اس کے لئے نجی شعبہ کی ویلفیئر آرگنائزیشنز اور مخیر حضرات کا تعاون ناگزیر ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت سیلاب سے متاثر ہونے والے خاندانوں کی غیب کے خزانوں سے مدد فرمائے جو لوگ سیلاب کی وجہ سے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے اللہ اُن کے درجات بلند کرے اور پاکستان کو ایسی آفات سے محفوظ و مامون رکھے۔

(ڈپٹی ایڈیٹر: دختران اسلام)

مقامِ ولایت اور اثباتِ کرامات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ایمان افروز خطاب

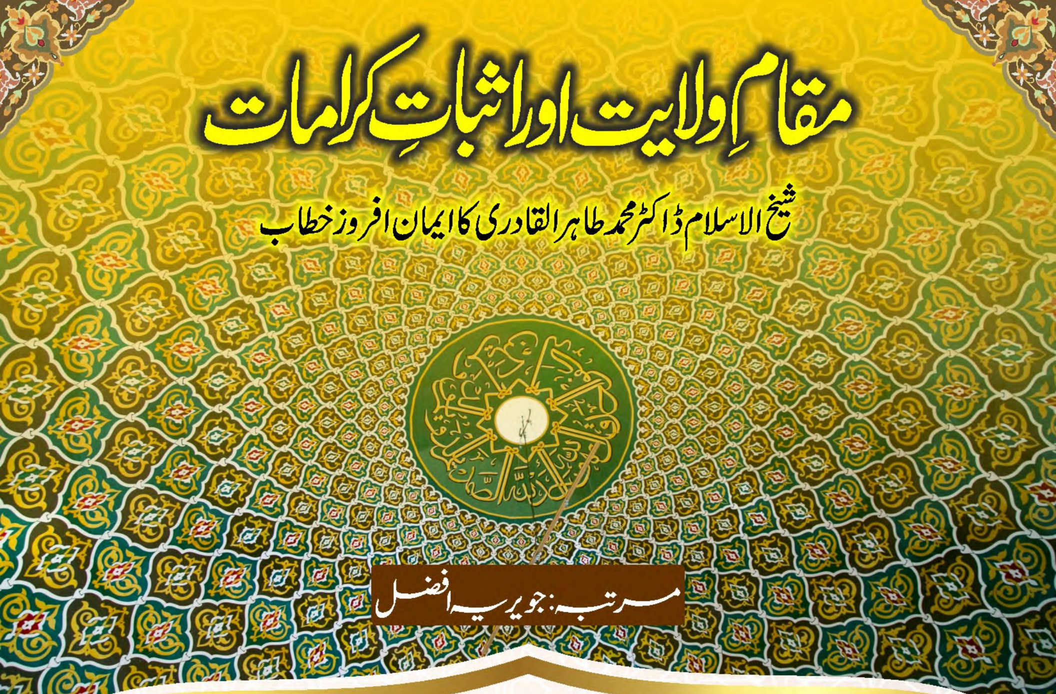

مرتبہ: جویریہ افضل

تصوف کے دو قدم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (یونس، ۱۰: ۶۲)

”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگیں ہوں گے۔“

حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فتوح الغیب میں سلوک کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تصوف میں سلوک الی اللہ صرف دو قدم ہیں۔ پہلا قدم مخلوق سے تعلق میں نفس کو نکال دینے سے عبارت ہے جبکہ دوسرا قدم خالق کے تعلق میں خلق کو نکال دینا ہے۔ یہ دو قدم اٹھا کر اللہ تک پہنچ جانا تصوف، اولیاء اور صوفیاء کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ہر انسان دو طرح کے تعلق رکھتا ہے جن میں سے ایک خالق کے ساتھ اور دوسرا مخلوق کے ساتھ تعلق ہے۔ تصوف ان دونوں تعلقات کو میل کچیل سے پاک کرنے کا نام ہے۔ شرعی طریق کے مطابق اللہ کی رضا کے لیے اسی کے امر پر جو کام بھی کیا جائے وہ عبادت بن جاتا ہے۔ اس عبادت میں دور دور تک مخلوق نظر نہ آئے یعنی اس تعلق میں بندے کے سامنے صرف اللہ کی ذات ہو اور مخلوق درمیان سے نکل جائے۔ اسی طرح جب مخلوق سے معاملہ ہو تو اس میں نفس حائل نہ ہو۔ اگر اللہ کے تعلق میں مخلوق نظر آئے گی تو اللہ سے تعلق بگڑے گا اور مخلوق کے تعلق میں اگر نفس یعنی 'میں' نظر آئے تو مخلوق سے تعلق بگڑے گا جبکہ تصوف تمام تعلقات کو سنوارنے کا نام ہے۔ پہلے قدم یعنی مخلوق کے تعلق میں اپنے

نفس کو نکال دینے کو فنوت کہتے ہیں اور دوسرے قدم یعنی اللہ سے تعلق قائم کرتے ہوئے مخلوق کو درمیان سے نکال دینے کو عبودیت کہتے ہیں۔

مخلوق کے ساتھ تعلق میں الجھنوں کی وجہ

مخلوق کے تعلق میں الجھنوں کی بنیاد یہ ہے کہ مجھے وہ اچھا نہیں لگتا، اس نے مجھے برا بھلا کہا، اس نے میری تائید نہیں کی، اس نے میری عزت نہیں کی، میں نے اس کے ساتھ بھلائی کی مگر اس نے بھلائی کا جواب بھلائی سے نہیں دیا وغیرہ۔ الغرض تمام جھگڑوں کی بنیاد 'میں' ہے۔ اگر مخلوق کے تعلق سے نفس کو نکال دیں تو کوئی شکوہ شکایت باقی نہ رہے گی۔

نفس کیا ہے؟

آپ کی سوچ، چاہت، خواہش، اچھا لگنا، برا لگنا، رنج محسوس کرنا، یہ سب نفس ہے۔

صوفیاء کا طریق

صوفیاء مخلوق کے ساتھ معاملات میں اپنے نفس کو نکال دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ کسی سے رنجیدہ نہیں ہوتے۔ کسی کا شرانہیں Upset نہیں کرتا۔ کسی کے برے اخلاق سے Frustrate ہونے والا نفس ہی ہے۔ جب نفس کو ہی درمیان سے نکال دیا جائے تو بندہ پر سکون ہو جاتا ہے۔

صوفی کا اللہ سے تعلق

اسی طرح صوفی جب اللہ سے تعلق میں کیے جانے والا کام کرتا ہے۔ یعنی نماز پڑھتا ہے، حج کرتا ہے، لوگوں کو دعوت وارشاد کا کام کرتا ہے تو درمیان سے مخلوق کو نکال دیتا ہے یعنی اس کے دل میں دیکھے جانے اور سراہے جانے کا خیال بوقت عبادت نہیں آتا۔ اگر مخلوق کے دیکھنے سے عمل بدل جائے تو گویا مخلوق نے عمل کا تعین کیا اور اگر مخلوق، اللہ اور بندے کے تعلق سے نکل جائے تو عبودیت نصیب ہوتی ہے۔

روح کی چیخ وپکار

آج ہماری زندگی کا Focus جسم پر ہے، جسم کے درد اور تکالیف تو محسوس ہوتے ہیں لیکن ہم روح کا رونا اور چیخنا نہیں سنتے۔ روح، کسی سے ظلم وزیادتی کرتے وقت، حق تلفی کے وقت، خیانت،

جھوٹ بولنے، نفرت کرنے اور ایک دوسرے کا ٹھٹھہ مذاق کرنے پر پہنچتی ہے۔ صوفیاء جسم سے Focus ہٹا کر روح پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جسم پر Focus کی وجہ سے ہمارے اعمال و افعال میں ہماری توجہ حقیقت کی بجائے رسم پر ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم حقیقت پسند ہونے کی بجائے رسم پرست ہو گئے جبکہ حقیقت پر Focus کرنے والے ہی کامیاب رہتے ہیں۔ ظاہر پر Focus کرنے کی وجہ سے ہماری عبادت بھی عادت بن چکی ہے جبکہ صوفیاء کی عادت بھی عبادت بن جاتی ہے کیونکہ وہ حقیقت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

حضوری اور دوری

ہمارا تعلق اللہ سے یوں ہو گیا کہ نماز کے لیے کھڑے ہو کر بھی ہمیں خبر نہیں ہوتی کہ کیا کہہ رہے ہیں، کس کے سامنے موجود ہیں، کس کے دربار میں سجدہ ریز ہیں وغیرہ۔ اسی طرح تسبیح کرتے وقت بھی ہمارا تعلق الفاظ دہرانے تک محدود رہتا ہے۔ ہمارے ذہن و دل اس بات سے بے خبر رہتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، اس کے معانی و معارف کیا ہیں۔ یعنی حضوری کے وقت بھی ہم غیر حاضر رہتے ہیں تو غیر حاضری کے وقت غائب رہنے کا عالم کیا ہو گا۔ تصوف کا مقصد اسی دوری کو حضوری میں بدلنا ہے۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

" (اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔"(النور، ۲۴: ۳۷)

جو لوگ تجارت، کاروبار کرتے، Offices وغیرہ جاتے ہیں، یہ سب دوری کے کام ہیں لیکن اللہ کے بندوں کی زندگی کی ہر دوری، حضوری میں بدل جاتی ہے۔ پھر اہل اللہ کا، مذکورہ دو قدم اٹھا لینے کے بعد، چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، لوگوں سے ملنا الغرض ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے۔

دو انتہائیں

آج تصوف کو ماننے والوں نے سوشل میڈیا کے بلا تمیز خیر و شر استعمال اور مطالعے سے دوری کے باعث نقلی چیزوں کو اپنا کر، اصل سے دوری اختیار کر لی ہے جبکہ منکرین تصوف اسی نقل کو دیکھ کر اس پر پے در پے حملے کرتے ہیں۔ حتی کہ نوجوان نسل کا نقلی چیزوں پر حملے دیکھ اور سن کر، اصل پر سے بھی اعتقاد اٹھ جاتا ہے۔ ایسے گدی نشین لوگ جن کے عمل میں نقص ہو، اخلاق اچھے نہ ہوں، علم نہ ہو اور نگاہ مال بٹورنے پر ہو، ان سے نوجوان نسل یوں بد ظن ہوتی ہے کہ اصل کا بھی انکار کرنے لگتی ہے۔ یہ

اسی طرح ہے جیسے آج کوئی مسلمانوں کے عمل، اخلاق اور کردار کے حالات دیکھے اور اس کا اعتقاد اسلام سے اٹھ جائے۔ آج خطیب پیسے کو مطمع نظر بناتے ہوئے بے اصل کرامتیں سناتے ہیں۔ ایسی مضحکہ خیز باتوں کو کبار اولیاء سے منسوب کرنے سے لوگوں کا اصل کرامت سے بھی اعتبار اٹھ جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ غلط کو رد کرنا تو درست ہے لیکن اس سے اصل کا رد نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید سے اولیاء کرام کی کرامات کا ثبوت

اولیاء کی کرامت کا مطلقاً یوں کہہ کر انکار کرنا کہ کرامت ہوتی ہی نہیں ہے، یہ کفر ہے۔ اس لیے کہ اولیاء کرام کی کرامات کا ذکر قرآن حکیم کی نصوص میں ہے۔ گویا اولیاء کی کرامات کا کلیتاً انکار، نصوصِ قرآنیہ کا انکار ہے۔ حضرت سیدہ مریمؑ نبی نہیں تھیں بلکہ ولیہ تھیں۔ قرآن مجید میں ذکر آیا ہے:

وَهُزِّيٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ (مریم،۱۹: ۲۵)

"اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرا دے گا۔"

حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے وقت کھجور کے خشک تنے کو کھینچا تو تر و تازہ کھجوریں گرنے لگیں۔ یہ کرامت، ولی اللہ کی ہے جو کہ قرآن حکیم نے بیان کی۔ اسی طرح حضرت زکریاؑ کی زیرِ پرورش حضرت مریمؑ تھیں۔ جب بھی حضرت زکریاؑ، آپؑ کے حجرے میں جاتے تو بے موسم پھل پاتے۔ وہ حضرت مریمؑ سے سوال کرتے کہ بے موسم پھل کہاں سے آگئے؟ آپؑ فرماتیں: اللہ کی طرف سے۔ ارشاد ربانی ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ۔ (آل عمران،۳: ۳۷)

"جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئے سے نئے) کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لیے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آتا ہے۔"

بچپن میں ولیہ کے اس بے موسم پھلوں کا آنا، یہ کرامت ہے۔ انہی کرامات کی ایک اور مثال قرآن حکیم میں یوں بیان ہوئی کہ سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ ملکہ بلقیس کا سینکڑوں میل دور تخت، کون لا سکتا ہے تو جن نے خود کو پیش کیا لیکن آپؑ نے اسے اجازت نہ دی۔ پھر ایک ولی اللہ آصف بن برخیا اٹھے اور کہا:

اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّيۡ۔ (النمل،۲۷: ۴۰)

"میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے)، پھر جب (سلیمان علیہ السلام نے) اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے۔"

آنکھ جھپکنے کی دیر میں تخت لے آنا بھی ولی کی کرامت ہے، نبی کا معجزہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی جابجا اولیاء کی کرامات کا ذکر فرمایا اسی لیے کرامت کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ اگر کسی نے کرامت من گھڑت بیان کی تو اس کا رد کیا جائے لیکن اس کے پردے میں اصل کا انکار نہ کیا جائے۔ اسی طرح ان کے واقع میں عدد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے بار بار ان کی سنگت میں رہنے والے کتے کا ذکر کیا:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ۔ (الکہف،۱۸: ۱۷)

اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کے کشادہ میدان میں (لیٹے) ہیں، یہ (سورج کا اپنے راستے کو بدل لینا)۔"

تین سو سال تک ان اولیاء اللہ کے لیے سورج اپنا راستہ بدل کے طلوع ہوتا اور بدل کے غروب ہوتا تھا یا وہ اپنے راستے سے ہی طلوع و غروب ہوتا لیکن دھوپ ان کے جسموں تک پہنچنے سے رک جاتی تھی۔ اسی طرح ان کے واقع میں عدد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے بار بار ان کی سنگت میں رہنے والے کتے کا ذکر کیا۔ ارشاد فرمایا:

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ۔ (الکہف،۱۸: ۲۲)

"(اب) کچھ لوگ کہیں گے: (اصحابِ کہف) تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ بِن دیکھے اندازے ہیں، اور بعض کہیں گے: (وہ) سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔"

کبھی یوں ہوا کہ انسانوں کے عدد کی بات ہو رہی ہو اور کوئی کتے کو بھی اس میں گن لے؟ نہیں۔ انسان اپنے کلام میں کتے کے عدد کو شامل نہیں کرتا تو اللہ اپنے کلام میں کیسے شامل فرما رہا ہے؟ کیونکہ یہ اولیاء کی کرامت ہے کہ جو ان کی مجلس میں آیا اسے تین صدیاں زندہ رہنے کا دوام بھی دیا کہ بن کھائے پیے وہ جیتا رہا۔ اسی طرح کئی جگہوں پر قرآن حکیم نے اولیاء کی کرامات کا ذکر فرمایا ہے۔

اولیاء کرام کی تعلیمات نہ ماننا: ایک فتنہ اور گمراہی

ایک طبقہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم قرآن و حدیث کے علاوہ کسی بھی امام یا ولی اللہ کی بات نہیں مانتے۔ ایسا کہنا سراسر گمراہی ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے Text کو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک ہم ان لوگوں کو پڑھ یا سن نہ لیں جو ہم سے زیادہ قرآن و حدیث کو سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ استاد کا ہونا لازمی امر ہے۔ جس طرح کوئی شخص میڈیکل کالج جائے بغیر اور ہاؤس جاب وغیرہ کیے بغیر خود میڈیسن کی کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اساتذہ سے پڑھے بغیر دین کا عالم و عارف بننا ممکن نہیں ہے۔ علم اساتذہ سے پڑھے بغیر کبھی مستند نہیں ہوتا۔ جو شخص پھر بھی یہ کہے کہ وہ صرف قرآن و حدیث کا مانتا ہے تو حدیث مبارکہ بھی مذکورہ امر پر ہی رہنمائی کرتی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب العلم میں ہے "العلماء ورثۃ الانبیاء" علماء، انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ پھر اگر ہر ایک نے قرآن و حدیث کا Text بن کر حجت بن جانا ہے تو یہ کون سے علماء ہیں جو انبیاء کے وارث ہیں؟ پھر صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب میں یہ الفاظ بیان ہوئے من یرد اللہ بہ خیرا یفھمہ۔

"اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے۔" اسی طرح آقا کی حدیث مبارکہ بھی نقل کی: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسی دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر خود Text پڑھ کر عالم ہوا جاتا اور علماء و اولیاء کی ضرورت نہ ہوتی تو قرآن مجید کے بیان کردہ قصے کے مطابق حضرت موسیٰؑ سمندر پار کر کے حضرت خضرؑ کے پاس علم کی تلاش میں کیوں جاتے۔ موسیٰؑ جن پر اللہ کی وحی آتی ہے اور جو خود صاحب کتاب ہیں، ان کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ (الکھف، ۱۸: ٦٦)

"کیا میں آپ کے ساتھ اس (شرط) پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے (بھی) اس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو بغرضِ ارشاد سکھایا گیا ہے۔"

موسیٰؑ چل کے حضرت خضرؑ کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں آپؑ کے ساتھ چلتا ہوں اس شرط پر کہ آپؑ مجھے علم دین، اس علم میں سے جو اللہ نے بطور خاص آپؑ کو عطا کیا۔ اس سے یہ Protocol سمجھانا مقصود تھا کہ جسے اللہ نے علم عطا کیا ہو، اس سے علم لینے جانا چاہیے۔ اگر صاحبانِ علم سے علم لینا جائز نہ سمجھا جائے تو پھر موسیٰؑ کا عمل کیا ہے؟ قرآن نے کیا بتایا ہے؟ حدیث مبارکہ میں کیا بیان ہوا؟ گویا علماء اور ائمہ سے تعلم کے انکار سے ہم خود قرآن و حدیث سے انکاری ہیں۔ لہٰذا اولیاء و ائمہ کے مرتبے کو تسلیم کرنا اور ان سے اکتساب فیض کرنا خود قرآن و حدیث کی تعلیمات ہیں۔

معجزاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشاد اقبال

جب کائنات کی تاریکیوں میں شرک و باطل کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، جب انسانیت ظلم و جبر کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی، تب اللہ ربّ العزت نے اپنے محبوب رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس دنیا میں رحمت و نور بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت محض ایک شخصیت کی آمد نہیں تھی بلکہ یہ تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا انقلاب اور کائنات کے نصیب بدلنے کا ظہور تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت زمین و آسمان پر ایسے معجزات ظاہر ہوئے جنہوں نے اعلان کر دیا کہ اب باطل کے اندھیروں کا خاتمہ اور نور حق کا ظہور ہونے والا ہے۔ لیکن دوسری طرف کچھ لوگ "اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کو بنیاد بنا کر حضور ﷺ کی عظمت اور حقیقت کو عام انسانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جسے قرآن و حدیث کے دلائل سے دور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ امت محمدیہ ﷺ اپنے نبی مکرم ﷺ کی شان و مقام کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔

تاریخِ انسانی کے اوراق پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ انسانی میں ایسا عظیم الشان واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا، جیسا کہ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے بابرکت لمحے میں پیش آیا۔ یہ وہ ساعت تھی جس کے انتظار میں کائنات کے ذرے ذرے نے صدیوں سانسیں گنی تھیں۔ جب یہ گھڑی آئی تو گویا زمین و آسمان میں خوشی اور مسرت کی ایک بے مثال لہر دوڑ گئی۔ فضائے آسمان رحمت کے انوار و

تجلیات سے جگمگا اٹھی، اور زمین نے اپنے دامن کو بہار کی رنگینیوں اور خوشبوؤں سے آراستہ کر لیا۔ سمندروں کی موجیں ترنم میں جھوم اٹھیں، ہوائیں خوشبو بن کر بہنے لگیں، اور مخلوقاتِ ارض و سما نے اپنے اپنے انداز میں اس نورانی آمد کا استقبال کیا۔

یہ کوئی عام ولادت نہ تھی، بلکہ یہ ربِ کائنات کے حبیب مکرم و رسول محتشم ﷺ کی تشریف آوری تھی، جنہیں خالقِ حقیقی نے صرف ایک قوم یا ایک زمانے کے لیے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

ولادتِ مصطفی ﷺ کی رات کے غیر معمولی واقعات تفصیل و پس منظر نور کا ظہور

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔"

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ج 1، ص 109؛ البدایہ والنہایہ، ج 2، ص 265)

یہ واقعہ اس بات کی علامت تھا کہ جس ہستی کی آمد ہو رہی ہے، وہ محض عرب کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے ہدایت و رحمت کا سرچشمہ بنیں گے۔ شام کا ذکر خاص اس لیے ہوا کہ مستقبل میں وہاں بڑے علمی مراکز، جہاد کے محاذ اور اسلامی حکومت کے اہم دار الحکومت قائم ہوئے۔

یہ نور ظاہری بھی تھا اور باطنی بھی؛ ظاہری طور پر معجزہ تھا اور باطنی طور پر ایمان، علم، عدل اور ہدایت کا نور تھا جو آنے والے زمانوں میں مشرق و مغرب کو منور کرنے والا تھا۔

کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا - فارس کی سلطنت کے زوال کی علامت

فارس کا بادشاہ کسریٰ اس وقت دنیا کی دو بڑی سلطنتوں میں سے ایک کا حکمران تھا۔ اس کے محل کے چودہ بلند و بالا کنگرے اس رات اچانک گر گئے۔

فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا

ایک ہزار سال سے جلتی آگ کا ایک لمحے میں ختم ہو جانا، گویا باطل کی شکست کا اعلان تھا۔ ایران کے شہر فارس میں ایک عظیم آتش کدہ تھا جو زرتشتی مذہب کے پیروکاروں کے لیے قبلہ و مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی حفاظت پر مستقل پہرے ہوتے اور یہ ان کے مذہب کی روحانی علامت تھا۔ ولادتِ مصطفی ﷺ کی رات وہ آگ یک دم بجھ گئی۔ یہ منظر محض ایک عجیب اتفاق نہیں بلکہ الٰہی

اشارہ تھا کہ باطل کے بڑے بڑے قلعے ایک لمحے میں زمین بوس ہو سکتے ہیں، اور توحید کا پیغام تمام باطل معبودوں کو مٹا دے گا۔ (البدایہ والنہایہ، ج2، ص273)

آتش کدہ فارس بجھ گیا جو ہزاروں برس سے مسلسل جل رہا تھا، یہ باطل پرست نظام کے خاتمے کا اعلان تھا۔

گویا آتش کدہ کے بجھنے نے اعلان کر دیا کہ باطل کی آگ ٹھنڈی ہو گئی اور حق کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ اب دنیا کی ظالم و جابر حکومتوں کے زوال اور عدل و انصاف پر مبنی مصطفوی نظام کے قیام کا وقت آنے والا ہے۔

بحیرہ ساوہ کا خشک ہونا

ایک تاریخی جھیل کا اچانک ختم ہو جانا، جو ایک عظیم تغیر کا اشارہ تھا۔ ساوہ (ایران) کے قریب ایک جھیل تھی جسے عوام تقدس کی نظر سے دیکھتے، اس کے پانی کو شفاء اور برکت کا ذریعہ سمجھتے اور بعض اسے پوجتے بھی تھے۔ یہ جھیل صدیوں سے موجود تھی مگر ولادتِ مصطفی ﷺ کی رات اچانک خشک ہو گئی۔ یہ واقعہ اس بات کا واضح اعلان تھا کہ اب انسانوں کے تراشے ہوئے بتوں اور باطل معبودوں کی حکمرانی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو رہا ہے۔ فطرت نے اپنی زبان میں گواہی دی کہ اب وہ دور آغاز پا رہا ہے جس میں بندگی صرف اور صرف خالقِ کائنات کے لیے مخصوص ہو گی۔

یہ سب نشانیاں اس حقیقت کو آشکار کر رہی تھیں کہ دنیا اب ایک نئے عہدِ نورِ ہدایت میں داخل ہو رہی ہے، جہاں قیادت و رہنمائی کا تاج صرف نبی رحمت محمد ﷺ کے سرِ انور پر سجنے والا ہے اور انسانیت کو ظلمت سے نکال کر ہدایت و توحید کے آفاقی سفر پر گامزن کیا جانا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج2، ص273)

یہ تمام واقعات مل کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی آمد محض ایک عام انسانی پیدائش نہیں تھی، بلکہ یہ مجموعی طور پر ایک نئے دور کا آغاز تھا۔

قرآنِ مجید نے آپ ﷺ کی حقیقت اور مقام کے بارے میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

(الاحزاب، ۳۳: ۴۰)

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔“

اسی طرح فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔
(الاحزاب:45-46)

"اے نبیّ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)۔"

یہ آیات بتاتی ہیں کہ اگرچہ آپ ﷺ ظاہری جسم میں انسان ہیں، مگر آپ کی حقیقت، نورانیت اور مرتبہ عام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا صحیح مفہوم

اس آیت مبارکہ (الکھف: 110) کو سیاق و سباق سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کفارِ مکہ آپ ﷺ سے کسی فرشتے کے آنے یا آسمان سے خزانے اترنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ جسمانی اعتبار سے بشر ہیں، تاکہ امت آپ سے انس و قرب محسوس کرے، لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا:

يُوحَىٰ إِلَيَّ "مجھ پر وحی کی جاتی ہے"

یعنی جسمانی بشریت میں مشابہت ہے، لیکن وحی، علمِ لدنی، عصمت، معجزات اور نورانیت میں کوئی انسان آپ ﷺ کا ہم پلہ نہیں۔

اکابرینِ امت کے حوالہ جات

ا۔ امام فخر الدین رازی (تفسیر کبیر، تحت آیت الکھف: 110):

"مثلکم" کا مطلب جسمانی ساخت میں مشابہت ہے، نہ کہ فضائل و کمالات میں۔ آپ ﷺ کی حقیقت عام انسان سے ماوراء ہے۔

۲۔ امام قرطبیؒ (الجامع لأحکام القرآن)

"بشری لباس اس لئے بھیجا تاکہ امت آپ سے مانوس ہو، ورنہ آپ کے مقام کو کوئی بشر نہیں پہنچ سکتا۔

نور و بشریت کا حسین امتزاج

حضور ﷺ کی شخصیت ایک ایسا حسین امتزاج ہے جس میں بشریت اور نورانیت دونوں پہلو جلوہ گر ہیں۔ بشریت کا پہلو امت کے لیے عملی نمونہ ہے جبکہ نورانیت کا پہلو آپ ﷺ کی الوہیت سے قربت اور

اللہ تعالیٰ کی خاص عطا کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے: "ما رأیت شیئاً أحسن منہ ﷺ" (ہم نے آپ ﷺ سے حسین تر کوئی شے نہیں دیکھی)۔

۳۔ قاضی عیاض اپنی الشفاء میں لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ کی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں، بلکہ آپ نور اور بشر دونوں کا جامع کمال ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا 'أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي'

۴۔ امام آلوسی

آپ ﷺ کی حقیقت نورانی ہے، بشریت کا عنصر صرف ظاہر میں ہے، باطن میں آپ سراسر نور اور رحمت ہیں۔ (روح المعانی)

حاصل کلام

لہٰذا، ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کا موقع محض ایک انسانی پیدائش نہیں بلکہ ایک عظیم ربانی معجزہ ہے، جس کی گواہی تاریخ، قرآن اور محدثین نے دی۔ "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ محض ہمارے جیسے انسان ہیں، بلکہ یہ کہ آپ ﷺ ظاہری بشری صورت میں ہماری طرح ہیں، مگر مرتبہ، فضائل، علم، عصمت اور نورانیت میں لامحدود فرق رکھتے ہیں۔ یہی عقیدہ اکابرین اور سلف وصالحین کا اجماعی موقف ہے اور تقاضہ ایمان ہے. یوں ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات نے یہ اعلان کر دیا کہ اب ظلم و باطل کی سیاہ رات کا خاتمہ ہونے کو ہے اور حق و ہدایت کا سورج اپنی پوری آب وتاب سے مطلع کائنات پر چمکے گا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ عام انسان نہیں بلکہ اللہ کے برگزیدہ، نورِ مجسم اور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ "اِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا مطلب آپ ﷺ کی بشریت کو عام انسانوں پر قیاس کرنا نہیں بلکہ آپ کی نبوت، رسالت اور انفرادیت کو اجاگر کرنا ہے۔

آج بطورِ امت ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے پیغام کو صرف جشن وخوشی تک محدود نہ رکھیں، بلکہ اسے تجدیدِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد سے جوڑیں۔ جب باطل کے ایوان لرز گئے اور آتش کدے بجھ گئے تو یہ اعلان تھا کہ اب دنیا میں نظامِ مصطفوی قائم ہونا ہے۔ لہٰذا آج ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ کریں، اس کی تجدید اور احیاء کی تحریک کا حصہ بنیں، اور اپنی فکر، کردار اور جدوجہد کے ذریعے دنیا کو پھر سے نورِ محمدی ﷺ سے منور کریں۔

''الروض الباسم من خلق النبی الخاتم''

مصطفوی معاشرے کی تشکیل کا مکمل نصاب

تحریر: ڈاکٹر محمد اقبال چشتی (ریسرچ سکالر)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک ہمہ جہت علمی، فکری اور دینی شخصیت ہیں، جن کی تصانیف اور خطابات نے عالمی سطح پر مذہبی، سماجی اور سیاسی مسائل پر نئی بصیرت اور مثبت فکر کی بنیاد رکھی۔ اُن کا اسلوبِ تحریر نہ صرف علمی لحاظ سے بلند ہے بلکہ اسے عوامی سطح پر بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تحریریں نہ صرف اسلامی عقائد اور فقہ کی گہرائیوں کو بیان کرتی ہیں بلکہ معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی مسائل پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کا اسلوبِ تحریر اُن کے علمی مقام، فکری بصیرت اور روحانیت کی عکاسی کرتا ہے، جس نے دنیا کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ ذیل میں اُن کی پوری دنیا میں پسند کی جانے والی کتاب ''الروض الباسم من خُلق النبی الخاتم ﷺ'' کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

اسلامی تاریخ میں سیرتِ نبوی ﷺ اور اخلاقِ مصطفوی ﷺ پر بے شمار کتب تصنیف کی گئی ہیں۔ ہر دور میں ائمہ، محدثین اور علماء نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اپنی تحریروں کا مرکز و محور بنایا ہے۔ تاہم بعض کتابیں ایسی ہوتی ہیں جو محض تصنیف نہیں بلکہ ایک علمی و روحانی عہد کی تشکیل کرتی ہیں۔ انہی نادر و نایاب علمی و فکری شاہکاروں میں سے ایک شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی عظیم تصنیف ''الروض الباسم من خلق النبی الخاتم ﷺ'' ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ اور اسوۂ حسنہ پر ایک جامع، مبسوط اور انسائیکلوپیڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عنوان کی معنویت

کتاب کا عنوان بذاتِ خود اس کی روح کو ظاہر کرتا ہے۔ الروض: خوشبوؤں اور رنگوں سے مہکتا ہوا باغ، الباسم: مسکرانے والا، خوش رنگ اور خوش رو۔ یوں ’’الروض الباسم‘‘ سے مراد وہ گلزار ہے جو اپنی مسکراہٹ اور دلکشی سے ہر آنے والے کو راحت بخشتا ہے۔ یہ عنوان اس بات کا استعارہ ہے کہ یہ کتاب قاری کو ایک ایسے باغ میں لے جاتی ہے جہاں حضور ﷺ کے اخلاقِ حسنہ خوشبو کی مانند قلوب و اذہان کو معطر کرتے ہیں۔

کتاب کی جامعیت اور خصوصیات

شیخ الاسلام کی یہ تصنیف اپنی نوعیت میں منفرد ہے۔ چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

جامع انسائیکلوپیڈیا

یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ اور اوصافِ حمیدہ کا انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں ہر پہلو کو منظّم اور مفصّل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

متعدد جہات سے تحقیق

اس کتاب میں محض اخلاقی پہلو ہی نہیں بلکہ معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور انسانی معاملات کے تمام شعبوں کو بھی اخلاقِ نبوی ﷺ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

حوالہ جات کی فراوانی

اِسی کتاب کی خصوصیات میں سے ایک شاندار خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کو قرآنِ کریم کی آیاتِ بیّنات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ پوری کتاب میں 600 سے زائد آیاتِ قرآنیہ مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ پوری کتاب میں 2300 سے زائد احادیثِ نبویہ موجود ہیں، جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقیاتِ عالیہ کی روشنی بکھیرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اخلاقیات نبوی ﷺ سے متعلقہ 700 سے زائد آثار واقوال موجود ہیں، جو حوالہ جات کی صورت میں فٹ نوٹس کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں، جو علمی دنیا میں کتاب کو ایک تحقیقی خزانہ بناتے ہیں۔ یہ عظیم کتاب 4 جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں مجموعی طور پر 2531 صفحات شامل ہیں۔

الروض الباسم کا علمی و تاریخی پس منظر

تیرہ سو سالہ اسلامی علمی و فکری روایت میں مختلف ائمہ و محدثین نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ پر مختلف کتب تالیف کیں۔ بعض محدثین نے اپنی کتب میں شمائل نبوی اور خصائصِ نبوی سے

متعلقہ چند ابواب ذکر کیے، بعض نے مستقل مفرد کتب بھی لکھیں جیسے کہ شمائل الترمذی، جسے علماءِ امت نے قبول عام بخشا اور اس پر بہت سی شروحات لکھیں۔ اسی طرح اسلام کے بنیادی ذخیرے جیسے صحیحین اور دیگر سنن، مسانید اور معاجم میں بھی حضور ﷺ کی خصائص، شمائل اور اخلاق کا ذکر موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ سے متعلق ابن حیان اَصبہانی (متوفی: ۳۶۹ ھ) نے ایک مبسوط کتاب ”أخلاق النبي وآدابه“ کے نام سے تصنیف کی۔ اسی طرح امام بغوی (متوفی: 510ھ) نے اخلاق النبی پر ”الأنوار في شمائل النبي المختار“ کتاب لکھی۔ اِسی طرح سیرت کی کتابیں، بالخصوص مفصل تصنیف جیسے امام صالحہ شامی (متوفی: 942ھ) کی ”سُبل الھدی والرشاد“ میں بھی اخلاقیاتِ نبوی ﷺ کے متعلق بہت کچھ جمع کیا گیا ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض کی ”الشفاء“ اور اس کی شروحات میں بھی اخلاقیاتِ نبوی ﷺ کے متعلق مطلوبہ مواد بکثرت مل جاتا ہے۔ گویا اس موضوع سے متعلق علمی دنیا میں کثرت کے ساتھ تصانیف موجود ہیں، خواہ وہ مستقل ہوں یا دین کی دیگر بنیادی کتابوں کے ابواب میں تابع کے طور پر ذکر کی گئی ہوں۔ علی ہذالقیاس تقلّباتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جہاں عرب محققین نے اِس موضوع پر بے شمار کتب علمی دنیا میں تالیف کی ہیں، وہی پر بر صغیر پاک وہند میں علماء و محققین نے اردو قارئین کے لیے اخلاقیاتِ نبوی ﷺ سے متعلق اردو زبان وادب میں کتب تصانیف کیں۔ اسلامی تاریخ میں اخلاقیاتِ نبوی پر لکھی گئی تصانیف شدہ کتب کا اگر عمومی جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ہر مصنف نے اپنے دور کے مقتضیات اور علمی مصادر مراجع دستیاب ہونے کے باعث بہت شاندار اور وقیع کام کیا۔

- ✓ کسی نے اپنی کتاب کے چند ابواب اس موضوع پر قائم کیے۔
- ✓ کسی نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔
- ✓ کسی نے ایک جلد پر مشتمل کتاب تصنیف کی۔

کسی نے سیرت النبی اور اخلاقیاتِ نبوی ﷺ پر کئی مجلدات پر کتب تصنیف کیں، لیکن اُن کتب میں جہاں اخلاقیاتِ نبوی ﷺ سے متعلق لکھا گیا ہے وہی پر سیرت الرسول ﷺ سے متعلقہ کئی موضوعات زیرِ بحث لائے گئے۔ جس وجہ سے وہ کتاب طویل اور جامع شمار ہوئی۔

مگر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف ”اخلاقیاتِ نبوی ﷺ“ کے موضوع پر یہ ضخیم اور شاندار کتاب لکھی ہے۔ جس میں صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقیاتِ عالیہ کو منصۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ شیخ الاسلام نے اس موضوع کو کئی جہات سے جامع، فکری، فنی اور تحقیقی انداز میں چار جلدوں پر مشتمل ایک مبسوط کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یوں کہا جا

سکتا ہے کہ گزشتہ ائمہ و محدثین نے اخلاقِ نبویہ پر تحقیق کی مضبوط بنیادیں رکھیں اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے انہی بنیادوں پر ایک شاندار اور مکمل عمارت کھڑی کر دی۔

تعلیماتِ اخلاقِ نبوی ﷺ اور انسانیت کا احترام

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر طبقۂ انسانیت کو احترام و تکریم کا درس دیتی ہے۔

- مسلمانوں کے مابین حسنِ سلوک۔
- غیر مسلموں کے ساتھ رواداری۔
- محروم طبقات کے ساتھ ہمدردی۔
- حتیٰ کہ حیوانات و نباتات کے ساتھ بھی شفقت و رحمت۔

یہ تمام پہلو حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کے مختلف گوشوں کی صورت میں اس کتاب میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ یوں یہ کتاب ایک ایسے انسائیکلوپیڈیا کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو قاری کو صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ عملی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اخلاقِ کریمانہ کے لاتعداد پہلو جن کو تلاش کرنے کے لیے ایک قاری کو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کتابوں کی احتیاج ہوتی ہے، وہ تمام جہات اِس ایک کتاب میں جامع، منظّم اور مبسوط انداز میں پائے جاتے ہیں۔

الروض الباسم کی عصرِ حاضر میں ضرورت و اہمیت

آج کے دورِ فتن میں جب دنیا اخلاقی بحران، سماجی بے حسی اور روحانی و فکری زوال سے دوچار ہے، ’’الروض الباسم‘‘ ایک ایسا علمی و روحانی چراغ ہے جو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی روشنی میں مسائل کا حل عطا کرتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے باعثِ ایمان افروزی ہے بلکہ غیر مسلم قارئین کو بھی نبی آخر الزمان ﷺ کی رحمت و شفقت سے روشناس کرواتا ہے۔

خلاصۂ کلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ’’الروض الباسم من خلق النبی الخاتم ﷺ‘‘ محض ایک تصنیف نہیں بلکہ ایک عظیم علمی و فکری ورثہ ہے۔ یہ کتاب جہاں سیرتِ نبوی ﷺ کے لامحدود پہلوؤں کو منظم انداز میں پیش کرتی ہے، وہیں آج کے قاری کو یہ پیغام دیتی ہے کہ نجات اور کامیابی صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کو اپنانے میں ہے۔ یہ کتاب اپنی ضخامت، جامعیت، تحقیق، بلاغت اور علمی گہرائی کے اعتبار سے ماضی قریب اور بعید میں لکھی جانے والی تمام کتب پر ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بلاشبہ آنے والی صدیوں تک علمی دنیا میں اپنی مثال آپ رہے گی۔

قربِ الٰہی کی کنجی

ارشاد اقبال

قرآن مجید میں ارشاد ہے :

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (البقرہ۲: ۳۰)

” اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔“

اللہ نے انسان کو بطور نائب بھیج کر اسے کائنات کے تمام اختیارات عطا کر دیئے کہ وہ حقیقت کی تلاش ہر ذرے میں کرے اور بالآخر کائنات ہست و بود میں اپنے رب کا عارف ہو کر امر ہو جائے۔

یعنی انسان کا مقصدِ تخلیق اللہ کی بندگی اور معرفت الٰہی ہے۔ ہر دور میں اولیاء اللہ نے بندوں کو اس مقصد کی یاد دہانی کرائی۔

اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی معرفت اور قرب کے لیے پیدا کیا۔ اس نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

” اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔“ (الذاریات، ۵۱: ۵۶)

عبادت دراصل بندگی ہے اور بندگی کا کمال قربِ الٰہی اور دوستیِ الٰہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی راز کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجتا رہا۔ زندگی کا اصل حاصل یہ ہے کہ انسان

اپنے رب کو پہچان لے اور اس کی دوستی اور رضا حاصل کرے۔ دنیا کے رنگ و نور، مال و دولت اور عہدے و منصب سب فانی ہیں، مگر اللہ کی رضا اور اس کی قربت ہمیشہ باقی رہنے والی حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام نے اپنی زندگیاں اسی مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ ان اولیاء میں سب سے نمایاں اور درخشاں نام سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ہے، جنہیں محبوب سبحانی اور قطبِ ربانی کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؒ کی حیاتِ طیبہ اور تعلیمات کا مرکزی پیغام یہی ہے کہ انسان تقویٰ، اخلاص، صبر اور خدمت کے ذریعے اپنے رب کا قرب حاصل کرے۔ آپ کی تعلیمات میں رب کے بندوں کو اللہ سے دوستی اور قرب کے راز ملتے ہیں۔

اللہ سے دوستی کا راز: اخلاص واطاعت

حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہے اللہ سے دوستی اخلاصِ نیت اور کامل اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔"

دوستی کا مطلب صرف زبان سے دعویٰ کرنا نہیں بلکہ دل، عمل اور نیت سب اللہ کی رضا کے تابع کر دینا ہے۔ جب بندہ اپنے اعمال کو دکھاوے، ریا اور خواہشاتِ نفس سے پاک کر دیتا ہے تو وہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

" خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگیں ہوں گے۔" (یونس، ۱۰: ۶۲)

قربِ الٰہی کی راہیں

ذکر اور محبتِ رسول ﷺ حضور غوث الاعظمؒ کے نزدیک قربِ الٰہی صرف عبادات کے ذریعے نہیں بلکہ ذکرِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ کے ذریعے مکمل ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی دل کا نور ہے اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ قربِ الٰہی کا دروازہ ہے یعنی جو بندہ زبان کو ذکر سے اور دل کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے منور کر لیتا ہے، اس پر قربِ الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں

ایمان و عقیدہ کی حفاظت

آپؒ نے قرآن و سنت کی اصل تعلیمات کو عام کیا اور لوگوں کے دلوں سے شرک، بدعات اور غلط عقائد کو دور کیا۔ آپؒ نے توحید باری تعالیٰ اور عشقِ رسول ﷺ کو مرکز بنایا۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اپنے عہد میں ایمان و عقیدہ کی حفاظت کو اپنی دعوت کا محور بنایا۔ اس دور میں

امت مختلف باطل نظریات، شرک، بدعات اور خرافات کا شکار ہو چکی تھی۔ آپؒ نے قرآن و سنت کی اصل اور خالص تعلیمات کو عام کیا اور لوگوں کے دلوں سے شرک کے اندھیروں کو مٹا دیا۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کو ایمان کی بنیاد اور عشقِ رسول ﷺ کو اس کی روح قرار دیا۔ اپنے وعظ و نصائح اور تصانیف جیسے الفتح الربانی اور فتوح الغیب میں بارہا تاکید فرمائی کہ دین کی اصل دو چیزوں میں ہے: اللہ کی وحدانیت پر خالص یقین اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت واتباع۔ آپؒ نے نہ صرف بدعات اور غلط عقائد کی بیخ کنی کی بلکہ دلوں کی اصلاح، اخلاص، تزکیہ اور اتباعِ سنت کی عملی تعلیم دی۔ یوں آپؒ نے ایمان وعقیدہ کو باطل رجحانات کے حملوں سے محفوظ کیا اور امت کو ایک بار پھر قرآن و سنت کے روشن راستے پر گامزن کیا۔

آپؒ نے علمِ فقہ، تفسیر، حدیث اور تصوف کو ایک جامع شکل میں پیش کیا اور خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے اپنی خانقاہ کو ایک مرکز بنایا جہاں تعلیم، تربیت، خدمتِ خلق اور روحانیت سب جمع تھے۔ یہی خانقاہی نظام بعد میں برصغیر، وسط ایشیا اور افریقہ تک پھیلا اور اسلام کی نشرواشاعت کا ذریعہ بنا آپ کی خانقاہ اور مدرسہ ایک علمی و روحانی یونیورسٹی بن گئے جہاں سے ہزاروں علماء اور صلحاء نکلے۔

علم دین کی تجدید

حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے دور میں علمِ دین کی تجدید اور احیاء کی عظیم خدمت انجام دی۔ آپؒ نے فقہ، تفسیر، حدیث اور تصوف کو ایک جامع اور متوازن شکل میں پیش کیا اور دین کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کو یکجا کر کے امت کو کامل راہنمائی عطا فرمائی۔ بغداد میں آپؒ کی خانقاہ اور مدرسہ ایک ایسی علمی و روحانی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گئے جہاں سے ہزاروں علماء، صلحاء اور مبلغین تیار ہوئے جنہوں نے دین کی روشنی کو دنیا کے گوشے گوشے میں عام کیا۔ آپؒ نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ لازم وملزوم ہیں؛ چنانچہ آپؒ نے فرمایا کہ میری ہر بات شریعت کے مطابق ہے، اگر کوئی بات شریعت کے خلاف ہو تو اسے رد کر دو۔ اس طرح آپؒ نے ظاہر کے علم (شریعت) اور باطن کی حقیقت (تصوف) کو ملا کر دین کی حقیقی روح کو اجاگر کیا، اور اسی تجدیدی خدمت کی وجہ سے تاریخ نے آپ کو ''محی الدین اور ''امام الاولیاء'' کے خطاب سے نوازا۔ آپ نے دین کے ظاہری (شریعت) اور باطنی (تصوف) پہلو کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔

اصلاحِ اخلاق و باطن

آپؒ نے اپنے خطبات اور مجالس میں نفس کے تزکیہ اور دل کی صفائی کو لازمی قرار دیا۔ آپؒ کی تعلیمات نے انسان کو ریا، تکبر، حسد، حرص اور دنیا پرستی سے پاک ہو کر اللہ کی رضا کے راستے پر چلنا سکھایا۔ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی تعلیمات اور خطبات میں سب سے زیادہ زور انسان کی باطنی اصلاح اور اخلاقی تزکیے پر دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ ریا، تکبر، حسد، حرص اور دنیا پرستی دل کو مردہ کر دیتے ہیں، اس لیے بندہ اپنے ظاہر کو شریعت کے مطابق اور باطن کو اخلاص، تواضع اور زہد سے آراستہ کرے تاکہ اللہ کی رضا اور قرب حاصل ہو (الفتح الربانی، مجلس 20)۔ آپ کی خانقاہ اور مجالس ایسی درسگاہیں تھیں جہاں صرف فقہی و علمی تعلیم نہیں بلکہ دلوں کی صفائی اور کردار کی تعمیر کو بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ مزید یہ کہ آپؒ نے حکمرانوں کو بھی اصلاح کی دعوت دی اور خلفاء وقت کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے سختی سے منع فرمایا کہ وہ عوام پر ناجائز ٹیکس اور مالی بوجھ نہ ڈالیں، بلکہ عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنائیں (تاریخ بغداد، خطیب بغدادی؛ المنتظم، ابن الجوزی)۔ یوں آپؒ نے دینِ اسلام کے ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرتی عدل و انصاف اور حکمرانی کی اصلاح کا بھی عملی نمونہ پیش کیا۔

نفس کی مخالفت اور ریاضت

آپؒ نے اپنے مریدوں کو سب سے زیادہ تزکیۂ نفس کی تلقین کی۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"اللہ کا قرب اُس وقت ملتا ہے جب بندہ اپنے نفس کو مارے اور خواہشات کو اللہ کے حکم کے تابع کرے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی خانقاہ میں سب سے پہلا سبق مجاہدہ اور ریاضت ہوتا تھا تاکہ طالبِ حق کا دل ہر قسم کی دنیاوی آلائش سے پاک ہو جائے۔

خدمتِ خلق – اللہ کی دوستی کی نشانی

حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا:

"اللہ کا دوست وہی ہے جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت کرے اور ان کی خدمت کرے۔

قربِ الٰہی کا حقیقی مظہر صرف نماز، روزہ اور ذکر نہیں بلکہ انسانوں کے دکھ درد کو بانٹنا بھی ہے۔ جو بندہ اللہ کے بندوں کو خوش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی دوستی میں جگہ دیتا ہے۔

یقین اور توکل کی دولت

حضور غوث الاعظمؒ نے اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ یقین اور توکل کی دولت اپنانے کی نصیحت کی۔

آپؒ نے فرمایا:

"جب بندہ اللہ پر مکمل بھروسہ کر لیتا ہے تو اللہ اسے ایسا دوست بنا لیتا ہے کہ وہ جس طرف بھی جاتا ہے، اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی زندگی میں اللہ کی مدد و نصرت کے عجائب و کرامات کثرت سے ظاہر ہوئے۔

غوث الاعظمؒ کی تعلیمات ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ:

- اللہ کی دوستی اخلاص اور اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔
- قربِ الٰہی کا دروازہ ذکرِ الٰہی اور عشقِ مصطفی ﷺ سے کھلتا ہے۔
- تزکیہ نفس، خدمتِ خلق اور توکل کی راہیں انسان کو اللہ کے قریب لے جاتی ہیں۔

حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے کہ اللہ سے دوستی اور قربِ الٰہی کی کنجی دل کی پاکیزگی، نفس کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی میں پوشیدہ ہے۔ آپ نے ہمیں سکھایا کہ جب بندہ ریا، تکبر، حسد اور حرص جیسے امراضِ قلب سے اپنے آپ کو پاک کر لیتا ہے، اخلاص و تقویٰ اختیار کرتا ہے اور عدل و انصاف کو اپنا شعار بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دوست بن جاتا ہے اور اپنے قرب کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے۔ یہی وہ راز ہے جو حضرت غوث الاعظمؒ نے امت کو عطا فرمایا کہ شریعت پر عمل اور طریقت کے نور کو یکجا کر کے بندہ حقیقی معنوں میں اللہ کا محبوب اور ولی بن سکتا ہے۔ آج ہمارے لیے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ اگر ہم بھی اللہ سے دوستی اور قربِ الٰہی کی تمنا رکھتے ہیں تو اپنی زندگی کو ان تعلیمات کے مطابق ڈھالیں، اپنے باطن کو سنواریں اور اپنے اعمال کو اخلاص کے رنگ میں رنگ لیں۔ یہی فیضانِ غوث الاعظمؒ کا اصل پیغام اور قربِ الٰہی کی کنجی ہے۔

اللہ سے دوستی کا راز یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرے، ذکر و فکر سے بھرے اور حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی میں زندگی بسر کرے۔ یہی وہ پیغام ہے جو غوث الاعظمؒ نے دیا اور جس پر چل کر بندہ قربِ الٰہی کی منزل پا سکتا ہے۔

آدابِ مدحت سرائی

انیسہ بی بی

نعت کا لفظ مستقل ایک موضوع یا مضمون کا احاطہ کرتا ہے اور جب یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو وہ تمام خزائن اور ذخائر مراد ہوتے ہیں جو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب، شمائل و خصائل، اخلاق و کردار، تعریف و توصیف اور مدح و ثنا پر مشتمل ہوتے ہیں۔ چاہے وہ نظمی ہوں یا نثری۔ نعت کا لفظ ہر اس انسان کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے جو نہایت خوبرو، نہایت عمدہ، حسین و جمیل، معزز اور سبقت لے جانے والا ہو لیکن اصطلاحاً ''نعت'' اس نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی کتاب " المفردات فی غریب القرآن" میں نعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نعت وہ کلام ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی مدح و ثناء، اخلاقِ حمیدہ، شمائل، معجزات اور آپ کی سیرت کے پہلو بیان ہوں۔ نعت گوئی کا مقصد صرف اور صرف محبتِ رسول ﷺ کا اظہار اور اُمت کے دلوں میں یہ محبت بیدار کرنا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالی رسول ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (الانشراح:4)

'' اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: 4)

" اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اخلاقِ الٰہیہ سے متّصف ہیں)۔"

یہ آیات نبی کریم ﷺ کے مقام اور تعریف کی صریح دلیل ہیں، اور یہی نعت کا اصل مفہوم ہے۔ نعت" کا لفظ احادیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف، محامد و محاسن میں مستعمل نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت انس سے مروی بیہقی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ بیمار پڑ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کا باپ سرہانے بیٹھا "تورات" پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: " اے یہودی ! کیا تم تورات میں میری نعت کو پاتے ہو؟ اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا: "نہیں"۔ لڑکے نے فوراً سچ بولا: ہاں! اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم تورات میں آپ کی نعت (تعریف و توصیف) پاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی میں نعت گوئی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور جب دل میں جذبات موجزن ہوتے تو وہ اشعار میں ڈھل کر نعت کی صورت اختیار کر لیتے۔ حضور ﷺ نہ صرف ان نعتوں کو سنتے تھے بلکہ بعض موقع پر تعریف بھی فرماتے اور نعت گو شعرا کو دعائیں دیتے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ انصاری صحابی تھے اور اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی شاعر کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو اپنی شاعری کو اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے دفاع کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کو شاعرِ رسول ﷺ کا لقب دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا "اھجھم وروح القدس معک "یعنی کفار کی ہجو کرو اور روح القدس (جبریلؑ) تمہارے ساتھ ہیں۔ اسی طرح حضرت حسان نے رسول ﷺ کی شان میں قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

وأحسن منك لم ترقط عيني

وأجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرءاً من كل عيب

كأنك قد خلقت كما تشاء

حضرت حسانؓ کے اشعار بعض اوقات بڑے پُرجوش اور جذباتی ہوتے تھے۔ چونکہ دین میں احتیاط لازم ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ حسانؓ

کے اشعار کو دیکھیں تا کہ کہیں غلو یا شرعی حد سے تجاوز نہ ہو۔ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں وکان أبو بکر یُعرض شعر حسان علی النبي ﷺ یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت حسانؓ کے اشعار رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے ۔ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے حسانؓ کے اشعار کے بارے میں پوچھا: کیف تری شعرہ؟ یعنی ابو بکر! تمھیں اس کا شعر کیسا لگتا ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: انہ جید یا رسول اللہ یعنی یا رسول اللہ! یہ بہترین ہے۔ (طبری، تاریخ الامم والملوک) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعت گوئی صرف جذبے کا نام نہیں، بلکہ اسے علمی اور دینی معیار پر پرکھا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نہ صرف صدیق تھے بلکہ فہمِ قرآن اور دین کے گہرے عالم بھی تھے۔ اس لیے وہ دیکھتے کہ کہیں اشعار میں ایسے الفاظ تو نہیں جو شرعی اعتبار سے درست نہ ہوں۔ گویا وہ نعت گوئی کے "ناقد" اور "راہنما" تھے۔ حضرت کعب بن زہیرؓ نے قصیدہ بانت سعاد پیش کیا، جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر عطا فرمائی۔

شاعری میں نعت گوئی کا فن دیگر اصناف سخن کے بالمقابل کئی ایک وجوہ سے خصوصیات کا حامل اور کافی اہمیت و فوقیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ نعت کا موضوع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس میں نعت گو آپ کے اوصاف سے بحث کرتا ہے اگر وہ خدا اور رسول کے اوصاف کے درمیان باہمی فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے میں تجاوز سے کام لیتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہو سکتا ہے جو ظاہر ہے انتہائی نازک مرحلہ اور کٹھن منزل ہے۔ اصناف سخن میں موضوع کے اعتبار سے "حمد" کو اوّلیت حاصل ہے اس کے بعد "نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔

نعت گوئی یوں تو بہت آسان لگتی ہے لیکن غور سے چشم دل وا کر کے دیکھئے تو بہت مشکل کام ہے۔ چوں کہ شاعر کو نعت کہتے وقت اس کا پاس ولحاظ رکھنا از حد ضروری ہے کہ آداب شریعت بھی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹیں اور آداب عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے دل و دماغ معمور ہوں۔ اسی لئے مشہور فارسی شاعر عرفی نعت گوئی کے متعلق کہتے ہیں:

عُرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بروم تیغ است قلم را

اے عرفی! اتنی تیزی نہ دکھا! یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔

نعت گوئی یقیناً تلوار کی دھار پر چلنے جیسا ہے۔ یہ بہت اہم مقام ہے یہاں بہت سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ مشہور مداح رسول شاعر ڈاکٹر تابش مہدی کے بقول:

یہ ارض نعت ہے تابش سنبھل سنبھل کے چلو
وفورِ شوق میں کوئی نہ بھول ہو جائے

بہ قول مولانا احمد رضا خان بریلویؒ: ”حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض حمد میں یک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔“ (الملفوظ، حصہ دوم۔ ص ۳)

نعت کے انتخاب کے اصول

مدحتِ نبوی اور نعتِ رسول فنی اعتبار سے ایک نازک مقام ہے۔ اس کی نزاکت کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو عبدیت، الوہیت میں بدل جاتی ہے۔ مضمون کا انتخاب، لفظوں کی موزونیت، لب و لہجے کی پاکیزگی، ادب و احترام کی فضا، عبد و معبود میں رشتے کا تعین، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا ادراک، رحمت و شفاعت کی حدود، توسل، استغاثہ اور استمداد کی شرعی نوعیت، غلو آمیز ضلالت اور عجز آمیز اہانت کا احساس، حفظِ مراتب کا خیال، منصبِ نبوت کا تقدس، ادب و احترام کے تقاضے، مضامین کی پاکیزگی اور اندازِ بیان کی نفاست و لطافت، یہ سب تقاضے مل کر نعت گوئی اور مدحت نگاری کو شاعر کے لیے پل صراط بنا دیتے ہیں۔ نعت کے انتخاب کے وقت چند شرائط اور اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

شرعی حدود کا لحاظ

نعت میں ایسے الفاظ نہ ہوں جو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔ قرآن و حدیث کے مطابق بات کہی جائے، ایسی بات نہ ہو جو غلو (حد سے بڑھا ہوا مبالغہ) یا شرک کے قریب لے جائے۔ آپ ﷺ کو الوہیت یا خدائی صفات دینا منع ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى۔ (الکھف:110)

” فرما دیجیے: میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں (اس کے سوا اور تمہاری مجھ سے کیا مناسبت ہے! ذرا غور کرو)۔“

صدق اور حقیقت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ ۔(صحیح بخاری، حدیث: 3445)

یعنی "میری تعریف میں اتنا غلو نہ کرو جتنا نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔ "نعت کے اشعار جھوٹ یا غیر حقیقی باتوں پر مبنی نہ ہوں۔

پیغامِ نبوت

نعت صرف حضور اکرم ﷺ کی ظاہری تعریف و توصیف تک محدود نہ ہو بلکہ اس میں آپ ﷺ کے اصل پیغام کو بھی بیان کیا جانا چاہیے۔ نعت میں توحید کو اجاگر کیا جائے تاکہ سننے والے کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا پہلا اور سب سے بڑا پیغام "لا الٰہ الا اللہ" تھا۔ اس میں آپ ﷺ کی بندگی اور رسالت کو واضح کیا جائے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: "قولوا عبد اللہ ورسولہ "یعنی کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اسی طرح قرآن و سنت کی رہنمائی اور آپ ﷺ کی اخلاقی و عملی تعلیمات کا ذکر ہو تاکہ نعت سننے والا محض جذبات میں نہ بہے بلکہ دین پر عمل کے لیے بھی تیار ہو۔ یوں نعت محض مدح سرائی نہیں بلکہ عملی رہنمائی کا ذریعہ بنے گی اور سننے والوں کو حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی طرف راغب کرے گی۔

ادب و تعظیم

ایسے الفاظ استعمال ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے شایانِ شان ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے ذکر میں ادب انتہائی ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات:2)

" اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔"

پاکیزہ الفاظ اور مستند مواد

نعت کے اشعار میں اعلیٰ اور باادب الفاظ استعمال ہوں۔ غیر مستند قصے یا موضوع احادیث پر مبنی اشعار نہ ہوں۔ نعت گو شاعر کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ سے والہانہ محبت، عقیدت اور شیفتگی رکھتا

ہو۔ شاعر جس قدر آپ کی محبت میں سرشار ہو گا، اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہو گا۔ نعت کی دل آویزی، دل کشی اور خوبی کے لئے محبت رسول شرط و لازم ہے۔ نعت کے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی ہونی چاہئے۔ نعت کے لوازمات میں ادب و احترام کے بہت سے پہلو ہیں جن کا تعلق موزوں زبان و بیان، انتخاب الفاظ، تشبیہ و استعارہ اور انداز تخاطب سے ہے۔ نعت کی مجموعی فضا کو ادب و احترام کے ان جذبات عالیہ سے سرشار ہونا چاہئے جن کی نعت متقاضی ہے۔

بعض نعتوں میں مبالغہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ توحید اور رسالت کے حدود دھندلے ہو جاتے ہیں۔ لیکن آج کل کچھ نعتوں میں غیر مستند قصے کہانیاں اور تاریخی طور پر کمزور واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض شعرا غیر ضروری رومانوی استعارات یا مبالغہ آرائی کرتے ہیں، جو علمی اور شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں۔ بہت سی نعتیں محبت و عقیدت پر مشتمل ہیں، سیرتِ رسول ﷺ بیان ہوتی ہے، دعا کی کیفیت، توقعِ شفاعت، اور امید باندھنے والی باتیں شامل ہیں۔ مگر بعض نعتیں غیر مستند قصص، مبالغہ آرائی یا تشبیہات جو بعض علما کے نزدیک حدود سے باہر ہیں، استعمال کرتی ہیں۔

مدحت سرائی کے آداب ذکرِ رسول ﷺ کا ادب اختیار کرنا

اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔ (الحجرات: 2)

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے وقت آواز میں بھی ادب ہو۔ لہٰذا نعت پڑھتے وقت نرم، مؤدبانہ اور باوقار انداز اپنانا چاہیے۔ نعت پڑھتے وقت ادب، خشوع اور باوقار انداز اپنایا جائے۔ آواز نہ بہت بلند ہو نہ بہت دھیمی، بلکہ مؤدبانہ اور سنجیدہ ہو۔ مجلس میں بیٹھنے والوں کو بھی خاموشی اور درود و سلام کا اہتمام کرنا چاہیے۔

محبت اور خلوص نیت

نعت پڑھنے کا مقصد خالص محبتِ رسول ﷺ ہونا چاہیے، نہ کہ شہرت یا دنیاوی فائدہ۔ نیت صرف محبتِ رسول ﷺ اور ان کی مدح سرائی ہو، نہ کہ مقابلہ، شہرت یا انعام۔

نعت میں صحیح اور مستند کلمات کا انتخاب

علماء نے لکھا ہے کہ نعت میں ایسے اشعار پڑھے جائیں جو عقیدے کے لحاظ سے درست ہوں۔ امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے نعت خوان کو چاہیے کہ جو اشعار پڑھے وہ قرآن و حدیث اور صحیح عقائد کے

مطابق ہوں، مبالغہ ایسا نہ ہو جو الوہیت کے درجہ تک لے جائے غلط تلفظ بعض اوقات معنی کو بدل دیتا ہے، جو ادب کے خلاف ہے۔ لہٰذا نعت پڑھنے والے کو چاہیے کہ اپنے کلام کو قرآن و سنت کی روشنی میں پرکھے، درست کلمات اور تلفظ اختیار کرے اور ایسی نعت پڑھے جو ایمان کو مضبوط کرے اور عقیدۂ توحید کو مزید پختہ بنائے۔

مجلس کا ادب اور خاموشی

حدیث میں ہے "اذا ذکرت فصلوا علي"۔ (جامع ترمذی)

جب میرا ذکر کیا جائے تو مجھ پر درود بھیجو۔

اس لیے نعت سننے والوں کو چاہیے کہ خاموشی سے سنیں اور جہاں درود کا موقع آئے وہاں دل یا زبان سے درود پڑھیں۔ نعت خوانی کی محفل میں اختلاطِ مرد و زن، بے ہنگم موسیقی یا کھیل تماشہ نہ ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ نعت خوانی ذکر و عبادت کے مشابہ ہے، لہٰذا اس میں احترامِ دین ضروری ہے۔

درود و سلام کا اہتمام

نعت کے شروع اور آخر میں درودِ پاک پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے " کنجوس وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے"۔ (جامع ترمذی)

دھن میں اعتدال اور شریعت کی پاسداری

نشید یا نعت ایسی ہو کہ وہ ممنوعہ موسیقی والے آلات سے پاک ہو۔ یعنی آواز میں وہ دھن نہ ہو جو موسیقی جیسی ہو جو سامع کو محض لذتِ آواز میں مبتلا کرے۔ آواز نرم، مؤدبانہ اور واضح ہونی چاہیے، نہ کہ بہت بلند یا شور مچانے والی، یا ایسی کہ سامعین کا مقصد الفاظ کا مفہوم نہ رہ جائے، محض سرسری لذت ہو جائے۔ شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ نعت و نشید ایسی ہو کہ اس کا مقصد اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اور ذکر ہو، نہ کہ محض تفریح یا عوام کی پذیرائی حاصل کرنے کا۔ آواز اور دھن کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ وہ غیر شرعی موسیقی اور ساز و آلہ جات سے پاک ہوں، اور مبالغہ نہ ہو۔ شیخ الالبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آواز یا دھن ایسا نہ ہو کہ نعت گانے کی طرز اختیار کر لے، یا وہ لحن ایسا ہو کہ سامع محض لذتِ دھن کا مقصود ہو جائے، الفاظ کے معنی پسِ پردہ رہ جائیں۔

نعت کی مبارک راہ پر چلتے ہوئے لکھنے، پڑھنے اور سننے والوں کو ہر قدم نہایت احتیاط سے اٹھانا چاہیے کیونکہ یہ آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری و موجودگی کا شرف ہے۔

آدابِ دوستی

فاطمۃ الزہراء

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو غور کرنا چاہیے کہ تم کس سے دوستی کر رہے ہو"

لفظ انسان کا مادہ اشتقاق' انس ' ہے جس کا معنی ہے محبت کرنا یا مانوس ہونا۔ دوستی اور محبت انسان کی سرشت میں رکھی گئی ہے اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا لہذا اپنی پیدائش سے لے کر موت تک انسان زندگی کے ہر مرحلے میں تعلقات اور دوستیاں قائم کرتا ہے جو اس کی فطری تسکین کا باعث ہوتے ہیں اور زندگی گزارنے میں ممدو معاون ثابت ہوتے ہیں ۔ دوستی نہ صرف وقت گزارنے کا ذریعہ ہے بلکہ زندگی کے نشیب و فراز میں سہارا، رہنمائی اور اصلاح کا بھی وسیلہ بن سکتی ہے۔ لہذا یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ ہمارے تعلقات اور دوستی کا معیار کیا ہونا چاہیے۔

دین اسلام دین فطرت ہے اور یہ انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق ہر معاملے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام نے دوستی کے لیے ایسے معیار مقرر کیے ہیں

جنہیں اختیار کرنے سے یہ تعلق نہ صرف دنیا میں سکون کا باعث بنتا ہے بلکہ اخرت میں بھی نجات اور کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسلام نے اس رشتے کو محض ایک سماجی میل ملاپ نہیں بلکہ ایک ایسی ذمہ داری قرار دیا ہے جس کا معیار دینِ حق اور اللہ کی رضا ہے۔ اگر دوستی اسی معیار پر قائم ہو تو وہ انسان کی روح، کردار اور عمل دونوں کو سنوارتی ہے؛ ورنہ وہ انسان کو برائی اور گمراہی کی طرف دھکیل سکتی ہے۔

قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر دوستوں اور ساتھیوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ سورۃ الزخرف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :"قیامت کے دن سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے ان کے جو تقویٰ والے ہوں گے۔" یہ آیت واضح کرتی ہے کہ وہی دوستی دائمی اور کامیاب ہے جو تقویٰ پر قائم ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

یعنی نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور گناہ و زیادتی میں مدد نہ کرنا۔

یہ ہدایات واضح کرتی ہیں کہ حقیقی دوستی وہ ہے جو انسان کو نیکی کی طرف لے جائے، نہ کہ برائی میں دھکیل دے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی بار بار دوستی کے انتخاب میں احتیاط پر زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو غور کرنا چاہیے کہ تم کس سے دوستی کر رہے ہو"۔ ایک اور حدیث میں ہے:

"نیک دوست کی مثال عطر والے کی طرح ہے جو خوشبو دے گا، اور برا دوست بھٹی جھونکنے والے کی طرح ہے جو یا تو کپڑے جلا دے گا یا کم از کم بدبو پہنچائے گا۔"

ان احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دوستی انسان کے اخلاق ،عادات اور دین پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے ۔یہاں دین سے مراد انسان کا طور طریقہ اور رہنے سہنے کا انداز ہے۔ انسان کا کردار اس کی دوستی اور تعلقات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔انسان تعلق بناتا ہے اور وہ تعلق انسان کی شخصیت بناتے ہیں ۔ انسان دوستوں کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور وہ وقت اس کی سوچ بدل دیتا ہے۔

انسان دوستوں کو اپنے مشورے میں شامل کرتا ہے اور وہ مشورے اس کی زندگی کا رخ بدل دیتے ہیں۔لہٰذا دوستی کا معیار دین، نیکی اور اچھا کردار ہونا چاہیے۔

اسلام میں دوستی کا بہترین عملی نمونہ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت ہے۔ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں حضرت ابوبکرؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ وفادارانہ ساتھ، خطرات میں شراکتِ کرب اور ہر حال میں ثابت قدمی اس حقیقت کی عکاس ہے کہ سچی دوستی قربانی اور دین کی راہ میں ایک دوسرے کے سہارا بننے کا نام ہے۔ مدینہ میں مواخات کا واقعہ بھی اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اسلامی دوستی محض جذباتی وابستگی نہیں بلکہ مادی و معنوی اشتراک، امداد اور ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ پر مبنی تھی۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو بھائی چارہ قائم ہوا، اس میں ایک دوسرے کے لیے مالی مدد، اخلاقی رہنمائی اور ہمدردی شامل تھی ،یہی اس رشتے کو مضبوط اور بامعنی بناتا ہے۔اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت مقدادؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ جیسے رشتے ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ دوستی کا مقصد محض دنیاوی لذت نہیں بلکہ دین کے کام میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا ہے۔حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے درمیان دوستی ایسی تھی جس میں اخلاص اور دین کی خدمت نمایاں تھی۔ حضرت عمرؓ ان پر اعتماد کرتے تھے اور اہم مشوروں میں ان کو شامل کرتے تھے۔حضرت علیؓ کے قریبی ساتھیوں میں حضرت مقدادؓ شامل تھے۔ دونوں کا تعلق صرف ذاتی تعلقات پر نہیں بلکہ دین کی خدمت پر مبنی تھا۔ جنگوں اور مشکل مواقع پر حضرت مقدادؓ نے ہمیشہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ یہ رفاقت ثابت کرتی ہے کہ اسلامی دوستی مشکل وقت میں عزم و حوصلہ بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

دوستی کے اسلامی معیار میں چند نمایاں خصوصیات ہیں جنہیں عملی زندگی میں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔پہلا معیار ایمان اور تقویٰ ہے۔ دوستی کا اصل مقصد اللہ کی رضا ہونا چاہیے، دنیاوی مفاد یا وقتی فائدے کی بنیاد پر قائم رشتہ پائیدار نہیں ہوتا۔ دوسرا معیار اخلاص اور خیر خواہی ہے، ایک مسلمان اپنے دوست کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ تیسرا معیار عدل اور دیانت ہے، اچھا دوست اندھی تقلید یا غلطی پر خاموشی اختیار نہیں کرتا بلکہ انصاف اور سچائی کا ساتھ دیتا ہے۔ چوتھا معیار یہ ہے کہ دوست

مشکل وقت میں ساتھ دے۔ پانچواں معیار عیب چھپانا اور اصلاح کرنا ہے۔ اسلامی دوستی میں عیبوں پر پردہ ڈالنا اور نرمی کے ساتھ اصلاح کرنا شامل ہے۔

اسلام نے جہاں نیک اور صالح دوست بنانے کی ترغیب دی ہے، وہیں برے دوست اور بری صحبت سے بچنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش !میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھے نصیحت آنے کے بعد گمراہ کر دیا تھا۔''

(الفرقان۲۹۔۲۷)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ برے دوست آخرت میں حسرت و ندامت کا سبب بنیں گے۔

دوست انسان کے اخلاق، عادات اور سوچ پر منفی اثر ڈالتے ہیں۔ ابتدا میں یہ اثرات چھوٹے دکھائی دیتے ہیں لیکن وقت کے ساتھ یہ انسان کی شخصیت کو بگاڑ کر اسے گناہ، غفلت اور برائیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بری صحبت سے بچنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

تمہارے بہترین دوست وہ ہیں جو تمہیں اللہ کی یاد دلائیں اور تمہارے برے دوست وہ ہیں جو تمہیں اللہ سے غافل کریں۔

یہ بات واضح کرتی ہے کہ صحبت انسان کی دینداری اور کردار کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔بری دوستی کا نقصان یہ ہے کہ وہ نیکی کو کمزور کرتی ہے، گناہ کو معمولی بنا دیتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان کو ہلاکت کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

ابو جہل قریش کا بڑا سردار تھا لیکن اس کے گرد ایسے دوست اور ساتھی موجود تھے جو اسے ضد اور تکبر پر اکساتے تھے۔ انہی برے ساتھیوں کے اثر کی وجہ سے وہ حق کو پہچاننے کے باوجود ضد پر قائم رہا اور بدترین انجام کو پہنچا۔ قرآنِ مجید میں ابو لہب اور اس کی بیوی کا ذکر آتا ہے کہ دونوں نے نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا اور دشمنی میں برابر کے شریک بنے۔ ان کی یہ بری رفاقت اس حد تک پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المسد میں دونوں کی ہلاکت بیان کی۔ یہ مثال واضح کرتی ہے کہ اگر میاں بیوی بھی برائی پر متفق ہو جائیں تو وہ ایک دوسرے کو

خیر کے بجائے بدبختی کی طرف دھکیلتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں سامری وہ برا شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں لوگوں کو بچھڑے کی پرستش پر لگا دیا۔ اس ایک برے دوست نے ساری قوم کو گمراہی میں ڈال دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ برا ساتھی صرف ایک فرد نہیں بلکہ پوری جماعت کو تباہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اسی طرح مکہ کے بڑے سرداروں میں ولید بن مغیرہ وہ شخص تھا جس نے قرآن کو سچ مانا لیکن اپنے دوستوں کے دباؤ اور مذاق اڑانے کے خوف سے ایمان نہ لایا۔ اس کا یہ کمزور قدم اس کے برے ساتھیوں کی وجہ سے تھا جنہوں نے حق کو پہچاننے کے باوجود اسے گمراہی پر جما دیا۔لہذا بری صحبت انسان کے دل کو حق سے دور کر دیتی ہے، برائی کو خوشنما بنا کر دکھاتی ہے اور انجام کار انسان کو حسرت و ندامت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

صحبتِ صالح تُرا صالح کند، صحبتِ طالح تُرا طالح کند

آج کا نوجوان اپنی زندگی کی تعمیر کے نازک مرحلے سے گزر رہا ہوتاہے۔ یہ عمر جذبات اور خواہشات سے بھری ہوتی ہے، اسی لیے اکثر نوجوان وقتی فائدے، لذت یا وقتی خوشی کے لیے غلط دوستیاں قائم کر لیتے ہیں۔ یہ دوستیاں بظاہر سہارا، خوشی یا تفریح کا ذریعہ لگتی ہیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعلقات نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کا نوجوان اکثر دوست کو اس بنیاد پر چنتا ہے کہ وہ کتنا وقت گزارنے کے قابل ہے یا وہ اسے کتنا فائدہ دے سکتا ہے۔ لیکن یہ وقتی فائدہ ایک طرح کا دھوکہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بڑا چیلنج لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان بڑھتی ہوئی آزادانہ دوستی ہے۔ میڈیا، سوشل پلیٹ فارمز اور جدید ذرائع نے اس رجحان کو بڑھا دیا ہے۔ اکثر یہ تعلقات وقتی کشش اور جذبات پر مبنی ہوتے ہیں، ان میں نہ اخلاص ہوتا ہے اور نہ پائیداری۔ نوجوان ان رشتوں کو محبت اور وفاداری سمجھ لیتے ہیں، مگر انجام عموماً بد اعتمادی، دل شکستگی، عزت کے نقصان یا گناہ کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ دوستیاں اکثر اس وقت بوجھ بن جاتی ہیں جب عملی زندگی کی ذمہ داریاں شروع ہوتی ہیں۔

مزید یہ کہ لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان ایسی دوستی معاشرے میں بے حیائی اور اخلاقی بگاڑ کو جنم دیتی ہے۔ یہ صرف فرد کا مسئلہ نہیں رہتا بلکہ خاندان کی عزت اور

معاشرے کی اقدار بھی متاثر ہوتی ہیں۔ ایسے تعلقات انسان کو اپنی اصل ذمہ داریوں، جیسے تعلیم، والدین کی خدمت اور کردار سازی سے دور کر دیتے ہیں۔

اسی لیے ضروری ہے کہ نوجوان وقتی فائدے کے دھوکے میں آ کر اپنی زندگی کو برباد نہ کریں بلکہ دوستی کے انتخاب میں سنجیدگی، تقویٰ اور مستقبل بینی کو مدنظر رکھیں۔ اچھے دوست ہی انسان کے اصل سرمایہ ہوتے ہیں، جو مشکل وقت میں سہارا بنتے ہیں اور انسان کو اخلاقی طور پر مضبوط کرتے ہیں۔

آج کے دور میں جب سوشل میڈیا، تیز رفتار زندگی اور ثقافتی تغیرات نے دوستی کے انداز بدل دیے ہیں، تو اسلامی معیار کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ایسے میں قرآن و سنت کی رہنمائی کے مطابق دوستوں کا انتخاب نوجوانوں کو صحیح سمت میں لگا سکتا ہے: نماز، اخلاق، محنت اور علمی سرگرمیوں کی طرف۔ عملی طور پر یہ ممکن ہے کہ ہم دوستوں کا چناؤ ان کی مستقل عادتوں، بات چیت کے طریقہ، نیکیوں میں ایک دوسرے کی مدد اور برائی سے اجتناب کے معیار سے کریں۔ دوستوں کے ساتھ مل کر علمِ دین کے حلقوں میں شرکت، نیکی کے عمل میں شریک ہونا، اور ایک دوسرے کے اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا تعلقات کو مضبوط اور بابرکت بناتا ہے۔

دوستی کو صحت مند رکھنے کے لیے چند عملی مشورے بھی مفید ہیں: اپنے دوست کی خامیوں کو احترام سے چھپائیں مگر ضروری اصلاح کو ٹالیں نہیں؛ مشورہ دینے میں نرمی اور حکمت اختیار کریں؛ اگر دوست آپ سے غلط عمل کا مطالبہ کرے تو واضح انکار کریں اور نرمی سے حق دکھائیں؛ مالی معاملات کو شفاف رکھیں اور وعدوں کی پابندی کریں؛ اختلافِ رائے میں تحمل اور سفارشی گفتگو اپنائیں؛ اخلاص کے ساتھ خیرخواہی کا اظہار جاری رکھیں۔ یہ اصول نہ صرف ذاتی سطح پر دوستی کو پائیدار بناتے ہیں بلکہ معاشرتی سطح پر اعتماد اور تعاون کی فضا قائم کرتے ہیں۔

آخر میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلام نے دوستی کو ایک مقدس رشتہ قرار دیا ہے جس کا معیار دنیاوی مفاد یا وقتی خوشی نہیں بلکہ اللہ کی رضا، ایمان و تقویٰ، اخلاص اور خیرخواہی ہیں۔ اگر ہم ان اصولوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں تو ہماری دوستی نہ صرف ذاتی سکون کا باعث بنے گی بلکہ یہ معاشرہ کو بھی بہتر اور مضبوط بنائے گی۔

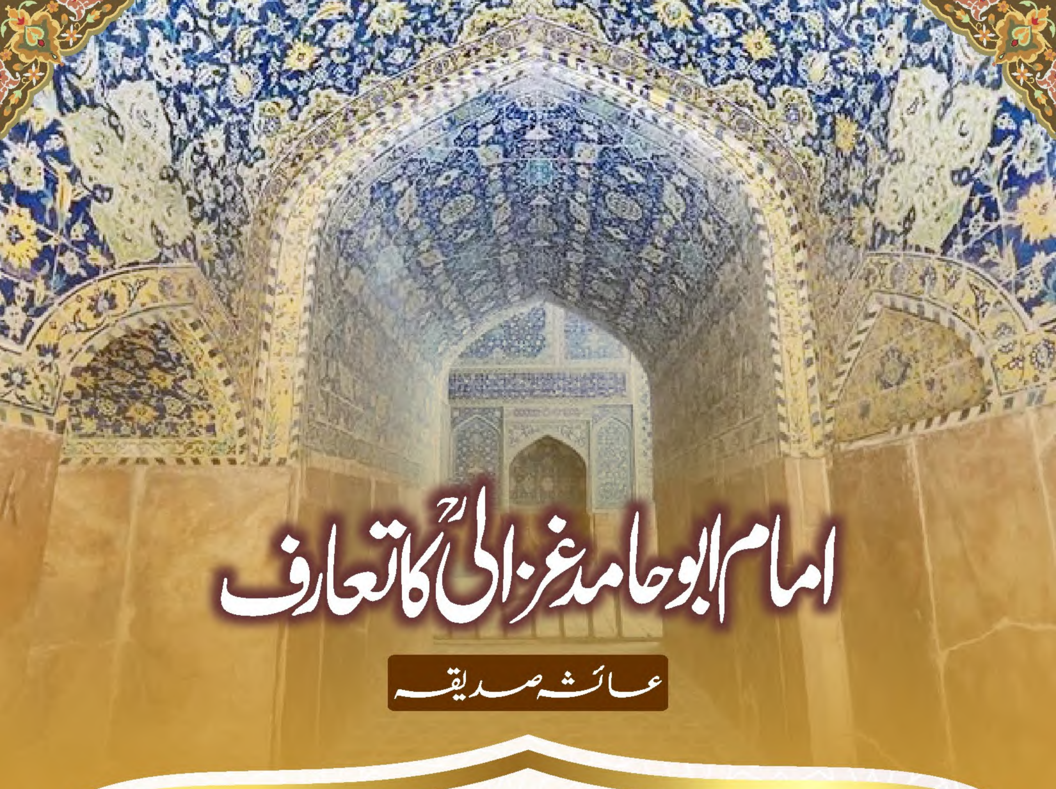

امام ابو حامد غزالیؒ کا تعارف

عائشہ صدیقہ

امام ابو حامد غزالیؒ تاریخ کا وہ درخشاں ستارہ ہیں جس کی کرنیں چوتھی صدی کے وسط میں دنیائے اسلام میں نمودار ہوئیں امام غزالیؒ نے اپنے فکر انگیز نظریات کے سبب مسلم دنیا پر وہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں جو آج بھی اسلامی فلسفہ و علم، حکمت و تصوف، روحانیت، معاشرتی اقدار اور اخلاقیات کی اصلاح کے لیے اساسی حدیث رکھتے ہیں۔امام غزالی نے اپنے دور میں موجودہ علمی مکاتب کے نظریات کے ابطال اور اسلام کی جامعیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ولادت و نام و نسب

امام غزالی کا نام محمد کنیت ابو حامد اور لقب حجۃ الاسلام تھا۔والد کا نام بھی محمد تھا اور دادا کا نام بھی محمد تھا۔عوام و خواص میں جس نام سے شہرت پائی وہ "غزالی" ہے۔آپ شافعی المسلک تھے،اس طرح آپ کا پورا نام 'ابو حامد محمد بن محمد الطوسی الشافعی الغزالی ہے۔(الغزالی،ابو حامد محمد بن محمد،(۲۰۱۶ء)المنقذ من الضلال (مترجم محمد حنیف ندوی)،لاہور،ادارہ ثقافت،ص:۲۱)

خراسان کے اضلاع میں سے ایک ضلع طوس کے دو شہر تھے طاہران اور توقان، امام غزالیؒ شہر طاہران میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔(شبلی نعمانی،(۱۹۵۶ء)،الغزالی،لاہور،مکتبہ ثناء اللہ،ص:۵۶)

معاشرتی حالات وواقعات

کسی بھی شخصیت کی معرفت کا ایک بڑا ذریعہ وہ ماحول اور سوسائٹی ہوتی ہے جس میں اس نے زندگی بسر کی ہو یا جہاں اس نے کسب فیض کیا ہو۔امام صاحب کی علمی کاوشوں کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے معاشرتی پس منظر پر ایک نگاہ ڈالی جائے تا کہ امام صاحب کی محنت اور تگ ودو کھل کر سامنے آئے۔

نظام ملک کا اصل نام حسن بن علی ہے وہ امام غزالیؒ کے ہم وطن یعنی طوس کے ایک گاؤں رازکان کا رہنے والا تھا۔اس کے باپ دادا دہقان تھے۔اس نے حدیث و فقہ کی تحصیل کی اور فراغت کے بعد دنیاوی اشغال میں مشغول ہوا۔یہاں تک کے حاکم بلخ کا میر منشی مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان کا وزیر بن گیا۔

الپ ارسلان نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی اس کے مرنے کے بعد الپ ارسلان کے بیٹوں نے سلطنت کے لئے معرکہ آرائیوں کے سامان کئے لیکن نظام الملک کی حسن تدبر سے ملک شاہ و تاج و تخت نصیب ہوا اور وہ ہی سب بھائیوں میں ترجیح کا حق بھی رکھتا تھا۔ملک شاہ تخت نشین ہو کر سلنطت کو وہ رونق اور وسعت بخشی کہ خلفاء راشدین کے بعد کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔

تعلیم وتدریس کو یہ ترقی دی کہ تمام ممالک اسلامیہ میں چپہ چپہ پر مکاتب اور مدارس قائم کئے کوئی شہر ایسا نہ رہا تھا جہاں اس کا تعمیر کردہ مدرسہ نہ تھا یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی بالکل ایک گوشہ میں واقع ہے اور کسی کا وہاں گزر نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ایک بڑا مدرسہ موجود ہے۔اس کے زمانے میں مدارس کا سالانہ خرچ ۶ لاکھ اشرافیاں تھی اس کے سوا اپنی کل جاگیر کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقت کر دیا تھا۔

نظام الملک خود صاحب علم و فضل تھا اور اہل فضل و کمال کا بہت قدر دان تھا۔ابو علی فارمدیؒ جب اس کے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ ان کے لئے مسند خالی کر دیا کرتے۔

امام غزالیؒ کا مزاج ابتداء میں جاہ پسند تھا۔(سبکی،تاج الدین ابی نصر عبد الوھاب بن علی،(۲۰۱۱ء)،طبقات الشافعیہ، ج:۴، بیروت لبنان،دارالکتب علمیہ،ص:۷۶)

امام الحرمینؒ جنہیں دربار میں بے حد عزت سے نوازا جاتا تھا کی صحبت میں انہوں نے علماء کی قدرو منزلت کا جو سماں دیکھا اس نے ان کی طبیعت میں اس ولولے کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا ان کے سامنے یہ واقعہ گزرا تھا کہ جب علامہ ابو اسحٰق شیرازی عباسیوں کی طرف سے سفیر ہو کر بغداد سے نیشاپور کو

چلے تو جس جس شہر میں ان گا گزر ہوتا تھا۔ شہر کا شہر مشایعت کو نکلتا اور تمام دو دوکاندار اپنی اپنی دوکانوں کا اسباب وسامان ان کے قدموں پر نثار کرتے جاتے یہاں تک کے روپے اور اشرافیاں لٹاتے نیشاپور پہنچے تو خود امام الحرمین ان کا غاشیہ اپنے کندھوں پر رکھ کران کے رکاب میں چلے۔ (ابن اثیر، عزالدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد، (۱۳۵۶ھ)، الکامل فی التاریخ، لاھور ،مکتبہ رحمانیہ، ص: ۴۴)

غرض جاہ منصب کی امید میں امام غزالیؒ نے درسگاہ سے نکل کر نظام الملک کے دربار کارخ کیا چونکہ ان کی علمی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ نظام الملک نے نہایت تعظیم وتکریم سے ان کا استقبال کیا اس وقت فضیلت اور کمال کے اظہار کا جو طریقہ تھا۔

علمی مناظرات تھے رؤساء وامراء کے دربار میں علماء و فضلاء کا مجمع ہوتا تھا اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگو ہوتی تھی جو شخص زور تقریر سے حریفوں کو بند کردیتا تھا۔ وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا اس طریقہ کو اس وسعت ہوئی کہ بڑے شہروں میں بطور خود مناظرہ کی مجلس قائم ہوتی تھیں اور لوگ اپنے شوق سے ان مجلسوں میں شریک ہوتے تھے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مناظرہ خود ایک فن بن گیا اور آج اس فن پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔

امام غزالیؒ نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو سینکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا نظام الملک نے مناظرہ کی مجلسیں منعقد کیں۔ متعدد جلسے ہوئے اور مختلف مضامین پر بحثیں رہیں۔ ہر معرکہ میں امام صاحب ہی غالب رہے اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو چمکا دیا اور تمام اطراف ودیار میں چرچے پھیل گئے۔

نظام الملک نے ان کو نظامیہ کی مسند درس کے لئے انتخاب کیا امام صاحب کی عمر اس وقت ۳۴ برس سے زیادہ تھی اس عمر میں نظامیہ کی مسند کا حاصل کرنا ایک ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کبھی کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

امام صاحب نے جمادی الاولی ۴۸۴ھ میں بڑی عظمت وشان وجاہ وحشم کی ساتھ بغداد میں نظامیہ کی مسند درس کو زینت دی اور کچھ ہی دنوں میں اپنے علم وفضل کی بنا پر ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے ۔ سبکی نے طبقات میں لکھا ہے:

"ان کے جاہ وجلال نے وزراء امرا کو بھی دبالیا یہاں تک کہ سلطنت کے اہم اور مہتم بالشان معاملات ان کی شرکت کے بغیر انجام نہیں پاسکتے تھے"۔

اس زمانے میں اسلام کے جاہ جلال کے دو مرکز تھے خاندان سلجوقی اور آل عباس امام صاحب دونوں درباروں میں نہایت محترم تھے۔

عہد مسافرت

۴۸۸ھ غزالی کے انقلاب و تحول روحانی کا سال آغاز ہے وہ ایک نئے دور میں جانے کی شروعات تھی ان کی زندگی کا یہ دور عہد سابق سے یکسر ممتاز اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے اور اس مسافرت و ریاضت کے بعد جس غزالی سے دنیا روشناس ہوئی اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

امام غزالی اپنی تصنیف میں خود رقم طراز ہیں:

ا۔ "میں بغداد میں جو دنیا بھر کے عقائد اور خیالات کا دنگل تھا، شیعہ، سنی، معتزلی، زندیق، ملحد، مجوسی اور عیسائی بغداد میں ایک دوسرے سے مناظرے کرتے اور دست و گریبان ہوتے، میں ہر ایک باطنی ظاہری، فلسفی، متکلم اور زندیق سے ملتا تھا اور ہر ایک کے خیالات معلوم کرتا تھا، میری طبیعت ابتداء ہی سے چونکہ مائل بہ تحقیق تھی، ان ملاقاتوں سے رفتہ رفتہ میری "تقلید" کی بندش ٹوٹ گئی اور جن عقائد پر پہلے سے گامزن تھا ان کی وقعت میرے دل میں جاتی رہی۔"

میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقائد، تو یہودی، عیسائی سبھی رکھتے ہیں۔ حقیقی علم اس کا نام ہے کہ کسی قسم کے شبہ کا احتمال نہ ہو۔ مثلاً یہ امر یقینی ہے کہ دس کا عدد تین سے زائد ہے اب اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں تین زائد ہے اور اس کے ثبوت میں وہ شخص یہ کہے کہ میرا دعوی حق ہے کیونکہ میں عصاء کو سانپ بنا سکتا ہوں اور بنا کر دکھا بھی دے تو میں کہوں گا کہ بلاشبہ عصاء کا سانپ بن جانا سخت حیرت انگیز ہے لیکن اس سے اس یقین میں فرق نہیں آسکتا کہ دس تین سے زائد ہے۔"

غزالیؒ کا سفر سیاحت و ریاضت دس سال کی مدت پر محیط ہے اس دوران انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا اور متعدد کتب و رسائل بھی تصنیف کئے ان میں احیاء العلوم سر فہرست ہے۔

امام غزالیؒ کی دو مرحلوں پر مشتمل زندگی

امام غزالیؒ کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل تھی۔ پہلے مرحلے میں یونانی فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور مذہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو گئے۔ دوسرے مرحلے میں انہوں نے تصوف کی طرف توجہ کی، چنانچہ توحید و رسالت اور یوم حساب کو تسلیم کرنے لگ گئے۔ خدا نے حقائق میں ان کا ایمان از سر نو تازہ کر دیا تھا۔ چنانچہ قیامت کی ہولناکیاں ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئیں کہ ماہ رجب تا ذوالقعدہ 488ھ کے عرصہ میں دہشت اور خشیت الہی نے ان کے اندر انقلاب برپا کر دیا۔ اسی وجہ سے پھر فلسفہ کے منکر ہو گئے تھے۔ مشاہدات اور قلبی واردات کو ہی اہمیت دینے لگے۔ اسی طرح انہوں نے عملی طور پر ہی تصوف کو اپنا لیا تھا۔ کیونکہ فلسفہ شک اور تصوف یقین پیدا کرتا ہے اس

انقلاب کی وجہ سے وہ تصوف کی طرف مکمل طور پر مائل ہو گئے، اور صوفیانہ نقطہ نظر ان کے اسلوب حیات پر غالب آ گیا۔ اگلے دس سال تک اس حالت کا ان پر اتنا غلبہ رہا کی وہ معمول کی زندگی بھی بسر نہ کر سکے۔ جب عائلی زندگی اور تدریس کی طرف لوٹے بھی تو ان کا طرزِ فکر اور طرزِ زندگی یکسر بدل چکا تھا۔ وہ عملی صوفی بن چکے تھے۔

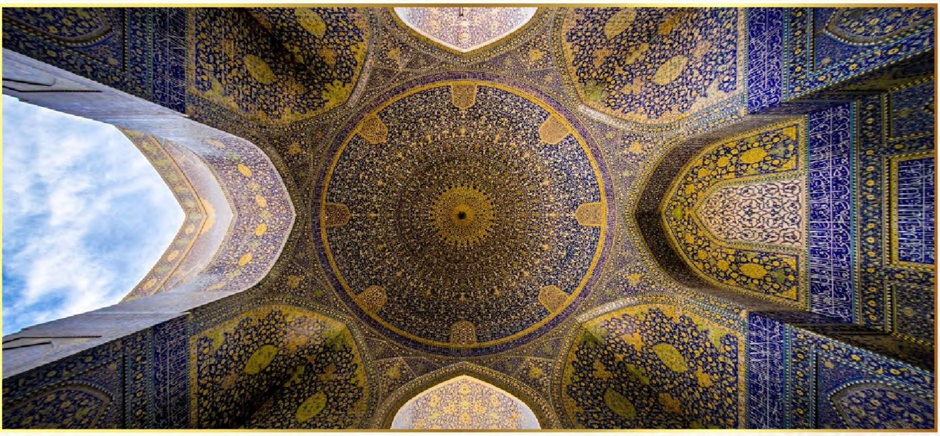

امام غزالیؒ کی زندگی میں انقلاب کے بنیادی اسباب

امام غزالیؒ کی زندگی میں آنے والے اس تغیر پر اگر مختصر تبصرہ کیا جائے تو کیا جا سکتا ہے کہ اس کے دو بنیادی اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امام غزالیؒ کو ذہن رسا عطاء فرمایا۔
دوسرا یہ کہ ان کی زندگی پر تصوف کے اثرات خفیہ طور پر موجود تھے جیسا کہ ذکر ہوا کہ ان کے والد خود درویش منش اور صوفی تھے جب وہ فوت ہونے لگے تو پھر بھی امام غزالیؒ کو صوفی دوست کے سپرد کیا اس طرح ابتدائی زندگی ہی میں ان پر تصوف کے اثرات پڑے۔
امام غزالی کا ترکِ تعلقات کا واقعہ دنیا کے عجیب و غریب واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکتا ہے دنیاوی تعلقات اور بہت سے بزرگوں نے بھی ترک کئے لیکن امام صاحب کی بے تعلقی کے اسباب بالکل نئے قسم کے ہیں۔

بے خودی کی حالت میں بغداد سے نکلنا

ابن خلکان کی روایت کے مطابق ذوالقعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلے۔ امام صاحب جس حالت میں بغداد سے نکلے عجیب ذوق اور وارفتگی کی حالت تھی۔ پر تکلف اور قیمتی لباس کی بجائے بدن پر کمبل تھا اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گزارہ کرتے تھے۔

دمشق کا قیام اور مراقبہ و مجاہدہ

غرض بغداد سے نکل کر شام کا رخ کیا اور پھر دمشق پہنچ کر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ روزانہ یہ شغل تھا کہ جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے۔ متصل دو برس دمشق میں قیام رہا۔ اگرچہ زیادہ اوقات مراقبہ و مجاہدہ میں گزرتے تاہم علمی اشغال بھی ترک نہیں ہوئے۔ جامع اموی دمشق کی گویا ایک یونیورسٹی تھی اس میں غربی جانب زاویہ میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔

شیخ ابو علی فارمدی سے بیعت

تمام مؤرخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ

ا۔ "امام غزالی نے شیخ ابو علی فارمدی (افضل بن محمد بن علی) سے بیعت کی تھی۔ شیخ موصوف بہت عالی مرتبہ صوفی تھے۔ نظام الملک ان کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ جب وہ دربار تشریف لے جاتے تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتا اور ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود مؤدب سامنے بیٹھتا۔ حالانکہ امام الحرمین اور امام ابو القاسم قشیری کے لئے وہ صرف قیام پر اکتفاء کرتا اور اپنی مسند سے الگ نہ ہوتا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا "امام الحرمین وغیرہ آتے ہیں تو میرے منہ پر میری تعریف کرتے ہیں جس سے میرا نفس اور زیادہ نخوت پرست ہو جاتا ہے بخلاف اس کے شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب سے مجھ کو مطلع کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ رعایا پر میرے ہاتھ سے کیا ظلم ہو رہا ہے۔"

امام غزالیؒ کے حاسدین

امام صاحب کی مقبولیت جس قدر روز بروز بڑھتی جا رہی تھی ان کے حاسدوں کا گروہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ خصوصاً امام صاحب نے احیاء العلوم میں جس طرح تمام علماء و مشائخ کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی۔ اس نے ایک زمانے کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک گروہ کثیر نے مخالفت کی کمر باندھی۔ اس زمانے میں خراساں کا فرمانروا سنجر بن ملک شاہ سلجوکی تھا اس خاندان کو امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ نہایت حسن عقیدت تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر اول اسی خاندان نے گنبد اور روضہ تعمیر کروایا تھا۔

امام غزالیؒ کی مخالفت

امام غزالیؒ نے آغاز شباب میں ایک منخول نام کی کتاب اصول فقہ میں تصنیف کی تھی۔ جس میں ایک موقع پر امام ابو حنیفہؒ پر نہایت سختی کے ساتھ نقطہ چینی کی تھی۔ اما صاحب کے مخالفین کے لئے یہ ایک عمدہ دستاویز تھی۔ یہ لوگ سنجر کے دربار میں یہ کتاب لے کر گئے اور اس پر زیادتی کے ساتھ آب و رنگ چڑھا کر پیش کیا۔

سنجر کا امام غزالیؒ کو طلب کرنا

سنجر خود صاحب علم نہ تھا کہ ندگوئیوں کی شکایتوں کا خود فیصلہ کرتا۔ جبہ و دستار والوں نے جو کچھ کہا اس کو یقین آگیا اور امام غزالی کی حاضری کا حکم دیا۔ امام غزالی عہد کر چکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گے ادھر فرمانِ شاہی کا بھی لحاظ تھا اس لئے مشہد رضا تک گئے اور وہاں ٹھہر گئے۔ سلطان کو فارسی زبان میں ایک خط لکھا۔ اس خط کو پڑھ کر سلطان امام صاحبؒ کی زیارت کا مشتاق ہوا اور درباریوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ روبرو باتیں کر کے ان کے عقائد و خیالات سے واقف ہوں۔ مخالفین کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ ڈر گئے کہ کہیں بادشاہ پر امام غزالیؒ کا جادو نہ چل جائے اس لئے یہ کوشش کی کہ امام غزالیؒ لشکر گاہ تک آئیں لیکن دربار تک نہ جانے پائیں۔ بلکہ باہر ہی مناظرہ کی مجلس میں امام غزالیؒ کو زچ کیا جائے۔ طوس کے علماء و فضلاء نے جب یہ خبر سنی تو لشکر گاہ میں پہنچ گئے اور مخالفین سے کہا کہ ہم امام غزالی کے شاگرد ہیں مسائلِ بحث ہمارے سامنے پیش کئے جائیں جب ہم

عہدہ بر آنہ ہو سکیں تو امام صاحب کو تکلیف دی جائے۔ ان تمام حالات میں سنجر یہ مصلحت سمجھی کہ اما صاحب کو سامنے بٹھا کر فیصلہ کر لیا جائے۔ معین الملک وزیر اعظم جب امام غزالی کو لے کر سنجر کے دربار تک گیا تو سنجر تعظیم کے لئے اٹھا اور امام صاحب کو معانقے کے بعد سریر شاہی پر جگہ دی۔

امام غزالیؒ نے سنجر کی طرف خطاب کیا اور آخر میں یہی کہا کہ میری نسبت جو یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ پر طعن کیے ہیں محض غلط ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی نسبت میرا وہی اعتقاد ہے جو میں نے کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان کو فنِ فقہ میں انتخابِ روزگار سمجھتا ہوں۔

فنِ حدیث کی تکمیل

امام غزالیؒ نے حدیث کا فن اثنائے تحصیل میں نہیں سیکھا تھا۔ آپ نے یہ زمانہ علمی و دینی اشتغال میں گزارا۔ ان میں بھی طالب علمانہ روح تھی، وہ حدیث کی طرف ایسی توجہ نہیں کر سکے تھے جیسی انہیں علومِ عقلیہ اور بعض نقلیہ کی طرف تھی اس زمانہ میں ان کو حدیث کی تکمیل کا خیال آیا تا کہ اس کمی کو بھی پورا کر سکیں۔ چنانچہ ایک محدث حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی کو اپنے ہاں مہمان رکھ کر ان سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا اور اس کی سند حاصل کی۔

امام غزالیؒ کی دو ممتاز خصوصیات

امام غزالیؒ کی دو خصوصیات بڑی ممتاز ہیں۔

(1) اخلاص (2) علوِ ہمت

ان کے اخلاص کا اعتراف موافق و مخالف سب کو ہے اور وہ ان کی تصنیفات کے لفظ لفظ سے ٹپکتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اگرچہ ان کے ناقد ہیں اور ان کی بہت سی چیزوں سے ان کو اختلاف ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ان کو کبار مخلصین مین شمار کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں کی مقبولیت کی اصل وجہ ان کا یہی اخلاص ہے۔ اسی اخلاص نے ان سے اقلیمِ علم کی مسندِ شاہی ترک کروائی تھی۔

علو ہمت ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے انہوں نے علم اور عمل کے دائرے میں اپنے زمانہ کی سطح اور اپنے ہمعصروں کی کسی منزل پر قناعت نہیں کی، وہ علم و عمل کے انتہائی اعلیٰ مقام تک پہنچے۔

امام غزالیؒ کا وصال

ابن جوزیؒ نے کتاب "الثبات عند الحمات" میں امام صاحبؒ کی وفات کا قصہ ان کے بھائی احمد غزالیؒ کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ:

"پیر کے دن امام صاحبؒ نے صبح کے وقت وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور اس کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ " آقا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر قبلہ رخ ہو کر پاؤں پھیلا دیئے اور دن نکلنے سے بیشتر ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ "

امام صاحبؒ نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ بمطابق ۱۱۱۱ء میں طاہران کے مقام پر انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ امام صاحب کی سن ولادت و وفات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

علمی کاوشیں/تصنیفات

امام صاحب کا کام تصنیف و تالیف کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز ہے۔ انہوں نے کل 54-55 برس کی عمر پائی۔ تقریباً بیس برس کی عمر سے تصنیف کا مشغلہ شروع ہوا۔ گیارہ سال صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں گزرے درس و تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا۔ اور کبھی کسی زمانے میں ان شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوئی۔

فکر و تصوف کے مشغلے جدا، دور دور سے جو فتاویٰ آتے رہے ان کا جواب لکھنا الگ با آیں ہمہ سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں گونا گوں مضامین سے پر ہیں اور جو بھی تصنیف ہے اپنے باب بے نظیر ہے سچ ہے:

این سعادت بزور بازو نیست

امام صاحب کی تصنیفات درج ذیل ہیں جو طبقات سبکی اور شرح احیاء اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے:

احیاء العلوم، املاء علی مشکل الاحیاء، اربعین، الاسماء الحسنیٰ، الاقتصاد فی الاعتقاد، الجام العوام، اسرار معاملات الدین، اسرار الانوار الالھیۃ بالآیات المتلوۃ، اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار اسرار اتباع السنۃ، بدائع الصنع، حقیقۃ الروح، خلاصۃ الرسائل الی علم المسائل فی المذہب، الرسالۃ القدسیہ، غایۃ الغور فی مسائل الدور فی مسئلہ الطلاق، کیمیائے سعادت، اللباب المنتحل فی علم الجدل، المستصفی فی اصول الفقہ، منخول، وجیز، وسیط، یاقوت التاویل فی التفسیر (۴۰ جلد)

یہ تمام علمی کاوشیں امام صاحبؒ کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کی شاہد ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہیں جو معدوم ہو چکی ہیں۔

استحکام خاندان میں عورت کا کردار

آمنہ محمود

اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے پھر مرد کو سربراہی عطا فرمائی اور عورت کو گھر کو جوڑنے والی بنایا اور رشتوں کو مضبوطی سے باندھنے کا ہنر عطا فرمایا۔ مرد میں بہت سی خوبیاں رکھیں مثلاً محنت مشقت کرنے کی عادت، قوتِ برداشت، حوصلہ و جرات مندی وغیرہ لیکن عورت میں بے شمار خوبیاں رکھ کر اس کے بعد اسے ماں کے رتبے پر بھی فائز فرمایا۔ اسے اپنی رحمت سے خصوصی حصہ عطا فرمایا۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ اللہ رب العزت بحیثیت عورت کچھ ذمہ داریاں بھی ڈالی ہیں تاکہ عورت ان کی تکمیل کر کے رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ عورت نے ہمیشہ ایک مستحکم خاندان تشکیل دینے میں خصوصی کردار ادا کیا ہے جو کہ اس کا فرض بھی ہے پھر کبھی وہ بیوی بن کر اپنے شوہر کے لیے تسلی و تشفی کا سامان کرتی ہے۔ جیسے کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ جب گھر تشریف لائے تو حضرت سیدہ خدیجہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ پریشان نہ ہوں آپ ﷺ کا رب آپ کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ ہمیشہ دوسروں کی دلجوئی و مدد میں سب سے آگے ہوتے ہیں یعنی ایک بیوی شوہر کی دلجوئی کر رہی ہے کہ اگرچہ یہ ذمہ داری بہت بھاری ہے لیکن آپ ﷺ ضرور بالضرور کامیاب ہوں گے۔

کبھی بیٹی بن کر باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے اور اس قدر محنت و خلوص سے پیش آتی ہے کہ ایک باپ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ فاطمہؑ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور نور ہے جو اسے ایذاء دے گا وہ مجھے تکلیف دے گا۔

ایسی بیٹی ہیں جنہیں دیکھ کر خود رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو جاتے ہیں ماتھے پہ بوسہ دیتے ہیں۔ اسی طرح عورت بحیثیت ماں سراپا رحمت و شفقت ہے اس رشتے کا کوئی نعم البدل نہیں ہے اس رشتے کا کوئی حق ادا نہیں کر سکتا کہ جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًاۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ (بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۳)

”اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ’اُف‘ بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔“

یعنی اف کہنے کی بھی گنجائش نہیں ماں کا درجہ باپ سے تین گنا زیادہ ہے اور یہ درجہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ بچے کو جنم دیتی ہے پالتی پوستی ہے اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کرتی ہے۔ اور جب ہم عورت کو بہن کی صورت میں دیکھتے ہیں تو ہمیں سب سے اعلیٰ مثال سیدتنا زینب بنت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہما نظر آتی ہیں کہ کیسے انھوں نے اپنے نانا جان کے دین کو بچانے کے لیے اپنے بھائی کی مدد کی اور نہ صرف مدد کی بلکہ اپنے بھی بیٹے قربان کر دیئے اور اپنے نانا جان کے دین کی حفاظت کی اور جانثاری کی ایسی مثال ملنا ناممکن ہے۔

ایک مرد جب اپنے اہل خانہ کے مالی معاملات کو سلجھانے کی تگ و دو کرنے کے لیے گھر سے باہر جاتا ہے تو یہ عورت کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں، خاوند کی آبرو اور اس کے گھر کا خیال کرے حفاظت کرے:

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو الگ الگ ذمہ داریاں دی ہیں مثلاً مرد کو سربراہ بنایا اور اسے اہل خانہ کے نان و نفقہ کا پابند کیا۔ عورت کو بچے اور گھر داری کی ذمہ داری دی گئی۔ جب تک دونوں اپنی ذمہ داری اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں گے ایک صحت مند اور مستحکم خاندان پروان چڑھتا رہے گا۔

ہمارے جدید معاشرے میں ہر کوئی زر اکٹھا کرنے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے گھر کے دونوں خاص فرد کمانے کے چکر میں الجھے ہیں اور بچوں کی ذمہ داری آیاؤں پر چھوڑ دی گئی ہے جو کہ نہ تو

بچوں کی تربیت کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی ان بچوں کی ذہنی اور بعض اوقات جسمانی لحاظ سے بھی خطرناک حد تک چلی ہو جاتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے وہ ہمیں وہی ذمہ داریاں سونپتا ہے جو ہمارے لیے بہترین ہوتی ہیں۔ اسلام عورت کے کام کرنے یا کمانے کے مخالف نہیں ہے بلکہ اسلام کے ابتدائی دور میں صحابیات وامہات المومنین علیہم السلام اپنے گھر کے ساتھ ساتھ نہایت بہترین بزنس بھی چلاتی تھیں اور جنگ وجدل میں مردوں کے شانہ بشانہ لڑائی میں بھی حصہ لیتی تھیں۔

یعنی وہ اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کرتی تھیں اور دیگر مشاغل میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ ایک عورت کی ہمیشہ پہلی ترجیح اس کا خاندان ہی ہونا چاہیے کہ ایک خوشحالی صحت مند خاندان مل کر ہی ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ بچوں کی دینی ودنیاوی تعلیم کے لیے بھی بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے جب ماں دین اسلام کے مطابق اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے تو وہ بچہ بھی بڑا ہو کر اسلام کے اصولوں پر زندگی گزارتا ہے تو اس طرح ایک پرامن وپرسکون معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلام نے عورت کو معاشرے میں جو مقام دیا ہے وہ دنیا کی تاریخ میں کسی بھی دوسرے مذہب نے وہ مرتبہ نہیں دیا۔ اس عطا کردہ مقام کے پیچھے یہی حقیقت ہے کہ اس کے کندھوں پر اپنی آنے والی نسلوں کو سنوارنے کی بھاری ذمہ داری ہے۔

ایک پڑھی لکھی مہذب اور دین اسلام پر کاربند عورت اپنے بچوں کی بہترین تربیت کے ساتھ اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آتی ہے اس کے اخلاق سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے رویے میں لچک محسوس کرتے ہیں اور آپس میں پیار محبت سے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اسی طرح کا ماحول وہ بھی اپنے گھروں میں بنانے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں ایک عورت کی وجہ سے پورا خاندان سیدھے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ایک عورت پر ہی اپنے بچوں کی تربیت، اچھے اخلاق، بہترین تعلیم کی ذمہ داری ہے جو اس میں کامیاب ہو جائے وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب گھرانہ دے سکتی ہے بلکہ آخرت کے لیے بھی صدقہ جاریہ کا سبب بن سکتی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک عورت یہ اپنی ذمہ داریاں تب ہی سرانجام دے سکتی ہے جبکہ اس کا ساتھ دینے والا شوہر بھی میسر ہو جو اسے دوسروں کے سامنے عزت دے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کا خیال رکھے اس کے اچھے کاموں میں مدد فراہم کرے اس کی حوصلہ افزائی کا وسیلہ بنے تو ایسی عورت یقین کریں نہ صرف اچھی بیوی اچھی ماں ثابت ہو گی بلکہ معاشرے کو بہترین خاندان دینے والی اور دنیا کے کسی بھی شعبے میں کامیاب نظر آئے گی کیونکہ وہ ذہنی طور پر ایک مکمل اور پر سکون زندگی گزار رہی ہو گی تو وہ ہر کام خوش اسلوبی سے انجام دے پائے گی۔

ہمارے معاشرے کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم عورت کو گھر کا چوکیدار تو سمجھتے ہیں مگر اس کی ضروریات اور پر سکون ماحول فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ اس سے ڈیمانڈ تو بہترین کی کرتے ہیں لیکن اسے ذہنی طور پر ایک لامتناہی عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں کبھی سسرال کی طرف سے اور کبھی میکے کی طرف سے۔

ہمارا معاشرہ جیسے جیسے مادیت کی طرف بڑھ رہا ہے ہمارے گھر سکون سے خالی ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ اسلام کے مطابق سادہ اور شکر گزاری والی زندگی بسر کی جائے گھر والے مل جل کر رہیں اور ایک دوسرے کے لیے سکون کا باعث بننے والے بن جائیں پھر ہی ہم ایک بہترین خاندان اور معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

اگر آپ عورت کو حوصلہ افزائی، عزت، ذہنی و جسمانی صحت کی ضمانت دیتے ہیں تو یہ نہ صرف خاندان کے لیے بلکہ ہر شعبہ زندگی میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے اسے بیک وقت مختلف کام سرانجام دینے کا ملکہ ودیعت کیا ہے۔

اسی طرح عورتوں کو بھی اسوہ صحابیات و امہات المومنین اور صالح خواتین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صبر و تحمل سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیے تاکہ اللہ کریم کے در پر سرخرو ہو کر پیش ہو سکیں۔

فقہی مسائل

استحاضہ کے احکام

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن

سوال: استحاضہ کسے کہتے ہیں اور اس کے کیا احکام ہیں؟

جواب: اگر عورت کو تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ خون آئے تو اسے استحاضہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر نفاس میں چالیس دن سے زیادہ خون آئے تو وہ بھی استحاضہ ہے۔ اگر کسی عورت کو اپنی عادت سے زیادہ خون آئے تو وہ بھی استحاضہ ہے۔

اگر کسی عورت کو پانچ دن خون آتا ہے اور یہ پانچ دن عادت بن گئی اب اگر اسے بعد میں کبھی دس دن آیا تو پانچ دن حیض اور پانچ دن استحاضہ ہے۔

استحاضہ کے احکام

- استحاضہ میں عورت نماز پڑھ سکتی ہے لیکن ہر نماز کے لئے الگ وضو کرے گی۔
- حالت استحاضہ میں عورت روزہ رکھ سکتی ہے۔
- حالت حیض اور نفاس میں عورت سے جتنی نمازیں قضاء ہو گئیں ان کی کوئی قضاء نہیں اور اگر روزے قضاء ہو گئے تو ان کی قضاء بعد میں لازم ہے۔
- حالت استحاضہ میں عورت تمام کام کر سکتی ہے بخلاف حیض و نفاس کے۔

سوال: حائضہ عورت کا لباس پاک ہوتا ہے یا ناپاک؟

جواب: ایامِ حیض میں عورت کے ہاتھ، پاؤں، منہ اور پہنے ہوئے کپڑے پاک ہوتے ہیں بشرطیکہ خشک ہوں۔ البتہ جس جگہ، بدن یا کپڑے پر خون لگ جائے وہ جگہ ناپاک ہو جاتی ہے۔ اس کو دھو کر

پاک کرنا ضروری ہے۔ حائضہ عورت کے ساتھ دوسری عورتوں کا، اس کی اولاد کا، اس کے محرموں کا اٹھنا بیٹھنا منع نہیں یہ یہودیوں اور ہندوؤں میں دستور ہے کہ حیض والی عورت کو اچھوت بنا کر چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ وہ کسی برتن کو ہاتھ لگائے نہ وہ کسی کپڑے کو چھوئے۔ شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو بلند مقام دیا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت منذر رضی اللہ عنہا سے حدیث مبارکہ مروی ہے:

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِی بَکْرٍ إِنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتْ رَّسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، اَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ قَالَ: إِذَا أَصَابَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضِ فَلْتَقْرِصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ لِتُصَلِّ.

(ابوداود، السنن، کتاب الطھارۃ، باب المراۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا، 1 : 150، رقم: 361)

”حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض گذار ہوئیں: یارسول اللہ! جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسے کھرچ دے پھر اسے پانی سے دھو دے اور پھر نماز پڑھ لے۔“

امام ابن عابدین شامی بیان کرتے ہیں:

”حیض والی عورت کا کھانا پکانا، اس کے چھوئے ہوئے آٹے اور پانی وغیرہ کو استعمال کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اس کے بستر کو علیحدہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ یہودیوں کے فعل کے مشابہ ہے، حیض والی عورت کو علیحدہ کر دینا کہ جہاں وہ ہو وہاں کوئی نہ جائے، ایسا کرنا درست نہیں۔“ (شامی، ردالمحتار علی درالمختار، 1 : 194)

سوال: جادو اور تعویذات سے بچنے کے لیے عورت حیض کے دنوں میں کوئی وظیفہ کر سکتی ہے؟

جواب: ایامِ حیض میں خواتین کے لیے دعا کرنا، وظائف پڑھنا، ذکر اذکار کرنا اور دُرود شریف پڑھنا جائز ہے۔ امام حصکفی الدر المختار شرح تنویر الابصار میں فرماتے ہیں:

وَلَوْ طُهْرًا مُتَخَلِّلًا فِيهَا حَيْضٌ يَمْنَعُ صَلَاةً وَصَوْمًا وَتَقْضِيهِ (لزوما دونها للحرج) وَدُخُولَ مَسْجِدٍ وَالطَّوَافُ وَقُرْبَانُ مَا تَحْتَ إِزَارٍ وَقِرَاءَةُ قُرْآنٍ وَمَسُّهُ وَإِلَّا بِغِلَافِهِ وَكَذَا حَمْلُهُ، وَلَا بَأْسَ بِقِرَاءَةِ أَدْعِيَةٍ وَمَسِّهَا وَحَمْلِهَا وَذِكْرِ اللهِ تَعَالَى، وَتَسْبِيحٍ وَأَكْلٍ وَشُرْبٍ بَعْدَ مَضْمَضَةٍ وَغَسْلِ يَدٍ، وَلَا يُكْرَهُ مَسُّ قُرْآنٍ بِكُمٍّ وَيَحِلُّ وَطْؤُهَا إِذَا انْقَطَعَ حَيْضُهَا لِأَكْثَرِهِ وَإِنْ لِأَقَلِّهِ لَا حَتَّى تَغْتَسِلَ.

اگر طہر متخلل (ایام حیض کے درمیان میں وقفہ) ہو تو وہ بھی حیض ہی شمار ہو گا جو کہ نماز و روزہ کے مانع ہے البتہ روزوں کی قضاء کی جائے گی جبکہ مسجد میں داخل ہونے، طواف کعبہ کرنے، قربت

کرنے، تلاوتِ قرآن اور بغیر غلاف قرآن چھونے اور اس کو اٹھانے کے بھی مانع ہے۔ دعائیں پڑھنے، اُنہیں چھونے اور ان کو اٹھانے، اللہ کا ذکر کرنے، تسبیح پڑھنے اور ہاتھ دھو کر کلی کر کے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں اور آستین کے ساتھ قرآن پاک کو چھونے کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ عورت کے حیض کا زیادہ وقت گذرنے پر اس سے دخول خون بند ہونے کے بعد جائز ہے اور اگر کم وقت گزرا ہے تو پھر جائز نہیں یہاں تک کہ وہ غسل کرلے۔

(حصکفي، الدر المختار، 1: 290 تا 294، دار الفکر، بیروت)

حائضہ کے لیے احادیث میں مذکور دُعاؤں اور قرآنی آیات کو تلاوت کی بجائے وظائف یا دُعا کی نیت اور ارادے سے پڑھنا جائز ہے۔

سوال: کیا بیوی کو اپنے شوہر کے لیے میک اپ کرنا اور اچھے لباس پہننے چاہیں؟ اور جب شوہر دفتر سے گھر آئے تو بیوی کو کیسے اس کا استقبال کرنا چاہیے؟

جواب: جی ہاں بیوی کو اپنے شوہر کے لئے میک اپ کرنا اور اچھے لباس پہننے چاہیے۔ شریعت میں بیوی کو بننے سنورنے کا حکم تو اپنے شوہر کے لئے ہی ہے۔ اگر وہ اپنے شوہر کے لیے ایسا نہیں کرے گی تو پھر کس لئے بنے سنورے گی؟ قرآن مجید نے واضح طور پر حکم دیا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لئے میک اپ کرے گی اور اس کے علاوہ بیوی اپنے محرم رشتے داروں کے لئے بھی بن سنور سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(سورۃ النور آیت نمبر 31)

"اور آپ مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصہ) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں اور وہ اپنے بناؤ سنگھار کو (کسی پر) ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا

اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب، مسلمان) عورتوں یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مردوں میں سے وہ خدمت گار جو خواہش و شہوت سے خالی ہوں یا وہ بچے جو (کم سِنی کے باعث ابھی) عورتوں کی پردہ والی چیزوں سے آگاہ نہیں ہوئے (یہ بھی مستثنیٰ ہیں) اور نہ (چلتے ہوئے) اپنے پاؤں (زمین پر اس طرح) مارا کریں کہ (پیروں کی جھنکار سے) ان کا وہ سنگھار معلوم ہو جائے جسے وہ (حکمِ شریعت سے) پوشیدہ کئے ہوئے ہیں، اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہو کر) فلاح پا جاؤ"

تو درج بالا آیت کی روشنی میں پتہ چلا کہ بیوی کو اپنے شوہر کے لئے ہر وقت بن سنور کر رہنا چاہئے، اور خاص طور پر اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار اس وقت کرنا چاہیے جب شوہر کسی جگہ سے واپس آئے۔ مثلاً بیرون ملک سے، اپنے آفس سے، جب بھی شوہر گھر سے باہر ہو اور جب واپس آئے تو عورت کو بہت ہی پیار بھرے، مشفقانہ اور والہانہ انداز میں استقبال کرنا چاہیے، اچھا لباس پہن کر، بناؤ سنگھار، میک اپ کر کے، خوشبو لگا کر اچھی طرح بن سنور کر اپنے شوہر کا استقبال کرے تاکہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو۔ جب بیوی ایسا کرے گی تو شوہر اس سے ہمیشہ خوش رہے گا اور کسی دوسری عورت کی طرف مائل نہیں ہو گا، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر دونوں کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، فتنہ فساد ہوتا ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ آج کے معاشرے میں عورت جب باہر جانے لگتی ہے تو خوب بناؤ سنگھار کرتی ہے، میک اپ کرتی ہے، اور گھر کے اندر شوہر کے سامنے صحیح لباس بھی نہیں پہنتی ہیں جو کہ حرام ہے، شریعت نے عورت کو اپنے خاوند کے لئے میک اپ کی اجازت دی ہے، دوسروں کے لئے نہیں۔ مگر اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے ہمارے معاشرے کی خواتین اس کے برعکس چل رہی ہیں جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

سوال: کیا شاور کے ذریعے غسل کرنے سے اس کے واجبات ادا ہو جاتے ہیں؟

جواب: غسل کے فرائض تین ہیں:

وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

(فتح القدیر، فصل فی الغسل، 1 : 50)

"غسل کے فرائض یہ ہیں: (1) کلی کرنا، (2) ناک میں پانی ڈالنا، (3) پورے بدن پر پانی بہانا۔"

شاور، ٹونٹی، نل اور ٹب وغیرہ کے ذریعے غسل کرنے کے لیے اگر اچھی طرح کلی کر لی گئی اور ناک میں نرم ہڈی تک پانی ڈال لیا گیا اور پھر پورے بدن پر کم از کم ایک مرتبہ اس طرح پانی بہا لیا گیا کہ بدن کا کوئی حصہ بال برابر بھی خشک نہ رہا تو غسل کے واجبات ادا ہو جائیں گے۔ غسلِ واجب کی صورت میں جسم پر لگی ہوئی نجاست کو پہلے دھونا سنت ہے جیسا کہ 'نور الایضاح (ص : 23)' میں ہے:

وغسل نجاسة لو كانت بانفرادها.

''اگر جسم پر نجاست ہو تو اُسے الگ سے دھوئے۔''

سوال: غسل کا مسنون اور مستحب طریقہ کیا ہے؟

جواب: اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر استنجاء کرتے، اس کے بعد مکمل وضو کرتے، پھر پانی لے کر سر پر ڈالتے اور انگلیوں کی مدد سے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے، پھر جب دیکھتے کہ سر صاف ہو گیا ہے تو تین مرتبہ سر پر پانی ڈالتے، پھر تمام بدن پر پانی ڈالتے اور پھر پاؤں دھو لیتے۔

(مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة، 1 : 253، رقم:316)

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں غسل کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے:

- نیت کرے۔
- بسم اللہ سے ابتداء کرے۔
- دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھوئے۔

استنجاء کرے خواہ نجاست لگی ہو یا نہ لگی ہو۔

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کے لیے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

فی شمارہ: 60 روپے — بیگم رفعت جبین قادری — سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں۔

365- ایم ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 149 042-5169111-3 - 111-140-140 Ext:

Whatsapp: 0324-4895887 - 0300-8105740

www.minhaj.info, Email: sisters@minhaj.org

گلدستہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکرِ جمال (سیریز)

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکرِ جمال'' کتاب سے اکتساب

مصنف: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکر جمال

1. وَصْفُ حُسْنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسین سراپا کا تذکرہ)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سب سے حسین و جمیل، پُرکشش، نورانی، جاذبِ نظر، نہایت روشن، شگفتہ اور شاداب تھا۔ قدامت میانہ، رنگت سفید، جسامت متناسب و موزوں اور رنگت و نگہت منور اور تاباں تھی۔ چہرۂ مبارک نہ تو بہت زیادہ گول تھا اور نہ بہت زیادہ لمبا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک دونوں صورتوں کے درمیان تھا، یعنی گولائی اور لمبائی کے اعتبار سے اعتدال پر تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو دیکھتے تو پکار اُٹھتے: ''وہ برگزیدہ امین جو بھلائی کی دعوت دیتا ہے (اس کے چہرۂ مبارک کی تابانی ایسی ہے) جیسے اندھیرے میں بدرِ کامل ضوفشاں ہو۔'' میں اِجمالاً یہ کہنے پر ہی اکتفا کروں گا کہ تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کے جمیع اَوصاف و خصائص، محامد و محاسن اور رعنائیوں اور زیبائیوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ اطہر میں جمع فرما دیا تھا۔

حُسنِ یوسف، دَمِ عیسٰی، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَرَأَی زُلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهٗ
لَأَثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْيَدِ

”(حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لینے والی) زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے اپنے دلوں کو کاٹ لیتیں۔“

1. قَالَ الْبَرَاءُ رضی اللہ عنہ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُمْ خَلْقًا۔

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، 1303/3، الرقم/3356)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بلحاظِ صورت وخِلقت انسانوں میں سب سے حسین تھے۔

2. وَقَالَ رضی اللہ عنہ: رَأَيْتُهٗ ﷺ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ۔

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، 1303/3، الرقم/3358)

آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سرخ پوشاک میں ملبوس دیکھا اور (سچ تو یہ ہے کہ میں نے اولادِ آدم میں) آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی حسین کبھی نہیں دیکھا۔

3. وَقَالَ رضی اللہ عنہ: مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَّةٍ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب اللباس، باب الجعد، 2211/5، الرقم/5561)

حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: میں نے سرخ پوشاک میں ملبوس کسی دراز گیسو حسین کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔

4. وَقَالَ رضی اللہ عنہ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِ اللهِ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔

(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 295/4، الرقم/18636)

حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: میں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سرخ پوشاک میں ملبوس کسی فرد کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر حسین نہیں دیکھا۔

5. وَقَالَ رضی اللہ عنہ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، مُتَرَجِّلًا، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ أَحَدًا هُوَ أَجْمَلُ مِنْهُ۔

(أخرجه النسائي في السنن، كتاب الزينة، باب لبس الحلل، 203/8، الرقم/5314)

حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ اُس وقت آپ ﷺ سرخ پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھے اور زلفوں میں مانگ نکالے ہوئے تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل نہ تو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو دیکھا تھا اور نہ آپ ﷺ

کے بعد کوئی دیکھا۔

6. وَقَالَ جَابِرُ بْنُ سَمُرَةَ رضی الله عنه: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ. قَالَ: فَلَهُوَ كَانَ أَحْسَنَ فِي عَيْنِي مِنَ الْقَمَرِ وَقَالَ رضی الله عنه: فَلَهُوَ أَجْمَلُ عِنْدِي مِنَ الْقَمَرِ.

(أخرجه الدارمي في السنن، المقدمة، باب في حسن النبي ﷺ، 44/1، الرقم/57)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے چاندنی رات میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، اُس وقت آپ ﷺ سرخ پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھے۔ میں بیک وقت آپ ﷺ کو اور چاند کو دیکھتا رہا۔ مجھے آپ ﷺ چاند سے کئی گنا زیادہ حسین لگ رہے تھے۔

ایک اور روایت میں فرماتے ہیں: میرے نزدیک آپ ﷺ چاند سے کئی درجہ بڑھ کر صاحبِ حسن و جمال تھے۔

7. قَالَ أَبُو الطُّفَيْلِ رضی الله عنه: كَانَ ﷺ أَبْيَضَ مَلِيحًا مُقَصَّدًا۔ (أخرجه البيهقي في دلائل النبوة، 300/1)

حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ غایت درجہ جاذبِ نظر تھے، آپ کی رنگت سفید اور قامت میانہ تھی۔

8. وَقَالَتْ أُمُّ مَعْبَدٍ رضی الله عنها: رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ، أَبْلَجَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الْخَلْقِ، لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ، وَلَمْ تُزْرِ بِهِ صَعْلَةٌ، وَسِيمٌ قَسِيمٌ۔

(أخرجه ابن حبان في الثقات، 125/1-127، والطبراني في المعجم الكبير، 49/4-50، الرقم/3605)

حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جن کا حسن بہت نمایاں تھا، چہرہ نہایت روشن اور ہشاش بشاش تھا، جسمانی ساخت نہایت موزوں تھی، رنگت کی زیادہ سفیدی آپ ﷺ (کے حُسن) کو معیوب نہیں بناتی تھی، آپ ﷺ کی جسامت خوب متناسب تھی، آپ ﷺ نہایت ہی خوب رُو اور حسین تھے۔

9. قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَنْوَرَهُمْ لَوْنًا، لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ، بَلَغَتْنَا صِفَتُهُ إِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَلَقَدْ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ، يَقُوْلُ: لَرُبَّمَا نَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَيَقُوْلُ: هُوَ أَحْسَنُ فِي أَعْيُنِنَا مِنَ الْقَمَرِ، أَزْهَرُ اللَّوْنِ، نَيِّرُ الْوَجْهِ، يَتَلَأْلَأُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (أخرجه الدارمي في السنن، المقدمة، باب في حسن النبي ﷺ، 44/1، الرقم/57)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور سب سے حسین و جمیل تھا اور رنگت و نگہت سب سے زیادہ (براق اور) روشن تھی۔ جس نے بھی آپ ﷺ کا وصف بیان کیا ہے اور جو ہم تک پہنچا ہے ہر ایک نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی ہے۔ اُن میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے: شاید ہم نے چودھویں رات کا چاند دیکھا۔ کوئی کہتا ہے: حضور نبی اکرم ﷺ ہماری نظروں میں چودھویں رات کے چاند سے بھی بڑھ کر حسین تھے۔ آپ ﷺ کی رنگت و نزہت بہت روشن، اور چہرہ نہایت دل کش اور نورانی تھا۔ یہ روئے انور (زمین پر) یوں جگمگاتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند (آسمان پر) چمکتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا پیکرِ جمال

2. وَصْفُ حُسْنِ قَامَتِهِ ﷺ (آپ ﷺ کا حسین قد و قامت)

حکایت از قدِ یار آں دل نوازی می کنیم
مگر ایں بہانہ عمرِ خود درازی می کنیم

حضور نبی اکرم ﷺ قد کے لحاظ سے نہ زیادہ دراز اور طویل تھے اور نہ ہی پست قد اور قصیر بلکہ معتدل اور میانہ قامت تھے۔ جب آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں چلتے تو اُن میں سب سے نمایاں نظر آتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قد و قامت کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی قامت مبارک کا تذکرہ کرتے تو ایمانی و روحانی، ظاہری و باطنی، ذہنی اور قلبی سطح پر ایک سرشاری کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے۔ آج بھی آپ ﷺ کی قامتِ رعنا کا جب ذکر پڑھا، سنایا کیا جاتا ہے تو محسوسات کے گلشن میں ایک خوشبوئے نایاب مہکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس کیفیت کا اظہار حافظ شیرازیؒ نے اس شعر میں کیا تھا:

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار
فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست

10. عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه، يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيْرِ(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، 1303/3، الرقم/3356).

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو زیادہ دراز قد تھے اور نہ ہی پست قامت تھے (یعنی میانہ قد تھے)۔

11. عَنْ عَلِيٍّ عليه السلام، قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالطَّوِيْلِ، وَلَا بِالْقَصِيْرِ(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 96/1، 127، الرقم/746، 1053)، وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب المناقب، باب ما جاء في صفة النبي ﷺ، 599/5، الرقم/3638).

حضرت علی علیہ السلام کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ قد کے لحاظ سے نہ زیادہ دراز اور طویل تھے، اور نہ ہی پست قد اور قصیر تھے۔ بلکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ معتدل قامت تھے۔

12. قَالَ عَلِيٌّ رضی الله عنه : كَانَ لَيْسَ بِالذَّاهِبِ طُوْلًا، وَفَوْقَ الرَّبْعَةِ، إِذَا جَاءَ مَعَ الْقَوْمِ غَمَرَهُمْ(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 151/1، الرقم/1299).

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ زیادہ دراز قد بھی نہ تھے نہ ہی کوتاہ قد، بلکہ آپ ﷺ میانہ قامت تھے اور جب بھی آپ ﷺ کچھ لوگوں کے ہمراہ (یا اُن کے درمیان) چلتے تو اُن سب میں نمایاں نظر آتے تھے۔

13. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ مَا مَشَى مَعَ أَحَدٍ إِلَّا طَالَهُ(أخرجه الطبراني في مسند الشاميين، 59/4، الرقم/2727).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے ہمراہ چلنے والے (کسی بھی شخص) سے ہمیشہ بلند قامت نظر آتے تھے۔

14. عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ قَوَامًا(أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، 278/3.).

حضرت انس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے قدِ زیبا اور قامتِ رعنا کے بارے میں) بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قد و قامت کے لحاظ سے تمام انسانوں سے زیادہ (شکیل و جمیل اور) حسین تھے۔

Allah's Call Answers the Cries of Lonely Souls

Ayesha Batool

INTRODUCTION

Youth is the most vibrant and sensitive stage of human life. It is during these years that the heart feels the strongest desire for love, companionship, and belonging. This longing is not accidental it is part of the very nature Allah placed within human beings. However, the tragedy of modern times is that many young people seek to quench this thirst for love in the wrong places:, social media approval, fleeting relationships or material possessions.

Modern society has created unmatched opportunities for connection. Social media platforms allow young people to reach across borders, interact with strangers, and remain updated about friends and celebrities alike. Yet, this vast network of communication often leaves them feeling

lonelier than ever before. while the search for validation through likes and comments replaces the comfort of genuine affection.

Despite these challenges, the longing of today's youth for love also reveals a profound truth: human beings are created with an innate desire to be loved and to love in return. No material success, technological advancement, or social status can replace the warmth of genuine human connection. What young people need most is not superficial validation, but a safe space where they are valued for who they are, not for what they display.

Allah's Call to the Longing Heart

Among these struggles, Islam provides the ultimate reassurance: the heart's deepest longing for love and companionship is answered by Allah Himself. Unlike worldly relationships that are uncertain and fragile, Allah's love is constant, unconditional, and everlasting.

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔

"Remember Me, and I will remember you." (Surah Al-Baqarah 2:152)

This is no ordinary call. Imagine the Creator of the heavens and the earth promises to personally remember His servant who remembers Him. What greater honor or love can a human being desire?

Small Steps to endless love

The Prophet ﷺ narrated from Allah Almighty in a Hadith Qudsi:

"I am as My servant thinks of Me. I am with him when he remembers Me.

If he remembers Me to himself, I remember him to Myself.

If he remembers Me in a gathering, I remember him in a gathering better than that (the angels).

If he draws near to Me by a handspan, I draw near to him by an arm's length.

If he draws near to Me by an arm's length, I draw near to him by two arm's lengths.

If he comes to Me walking, I go to him running." (Sahih al-Bukhari, 7405; Sahih Muslim, 2675)

This Hadith beautifully illustrates that Allah does not abandon the one who seeks Him. Even the smallest step toward Him is rewarded with immense closeness, mercy, and love. For the youth who long for affection, this is a divine promise that no effort to connect with Allah goes unnoticed.

Consolation from the Qur'an

The Qur'an is filled with verses that directly address broken, lonely, or anxious hearts. It consoles those weighed down by grief:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

"Do not grieve; indeed Allah is with us."(Surah At-Tawbah 9:40)

It reassures the overwhelmed:لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

"Allah does not burden any soul beyond its capacity."

It brings hope in dark times:فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

So, indeed, with (every) hardship comes ease. (94:5)

And to the faithful, He promises safety:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

Beware! Indeed, the close friends of Allah shall have no fear on them, nor shall they grieve.(10:62)

Finally, for those tired of waiting, He commands patience:

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔

So be patient! Allah's promise is indeed true. (30:60)

Each verse is a gentle touch of mercy, reminding the youth that Allah sees, hears, and cares for every hidden heartache.

Our Responsibility
Steps Toward Allah's Love

If Allah's love is the greatest gift and the true answer to the longing of young hearts, then the youth must also take steps to receive it. The Qur'an and Sunnah remind us that even the smallest effort is multiplied by Allah's mercy. Some of the steps the youth can take are:

1. Sincere Faith and Trust in Allah

Believe firmly that Allah loves you, hears you, and never abandons you. Trust His plan even in hardship. This faith is the foundation of His nearness.

2. Remembrance (Dhikr) and Prayer

Remember Allah daily not only in times of need but in moments of joy too. Perform the five daily prayers with sincerity, and fill the heart with His name through dhikr.

3. Purity of Heart and Actions

Avoid sins that darken the soul, especially those that misuse love and desires. Guard relationships by keeping them pure, lawful, and respectful, so that love becomes a source of blessing, not regret.

4. Patience and Gratitude

Show patience in trials and gratitude in blessings. Both are forms of worship that draw Allah's mercy closer.

5. Turning Back to Allah

Even if mistakes are made, do not despair. Repentance (tawbah) itself is a step of love, and Allah promises to accept it with joy.

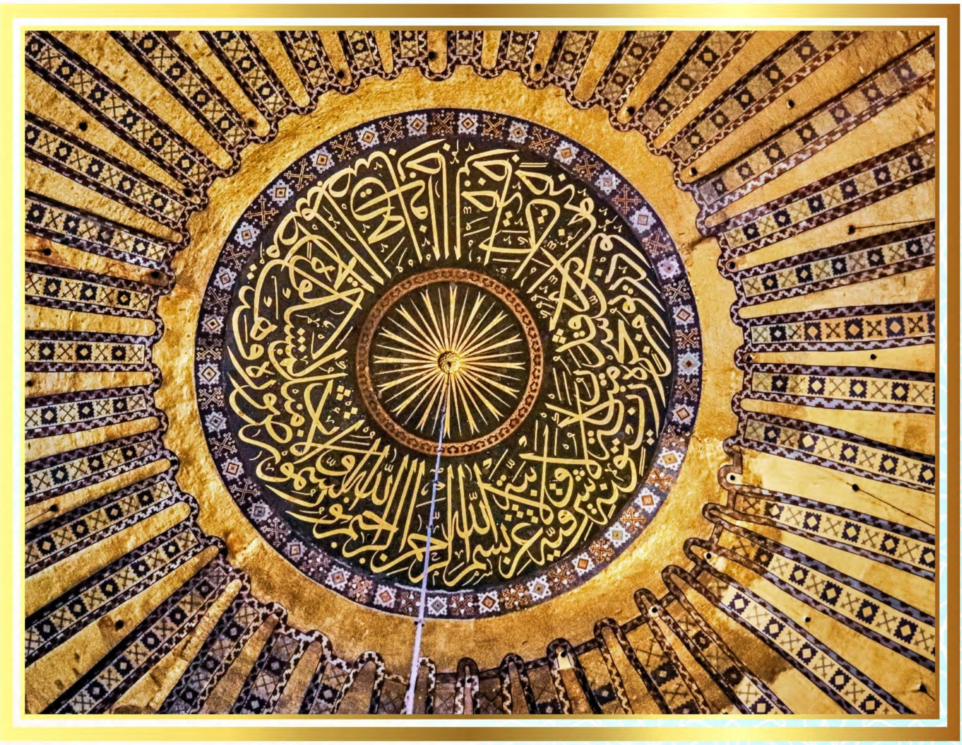

CONCLUSION

The longing for love in youth is not a weakness—it is a divine signal. It is the heart's compass pointing towards its true Beloved: Allah Almighty. Worldly relationships may comfort us for a time, but only Allah's love can satisfy the eternal thirst of the soul.

For every young heart searching for affection, Allah's call is clear that is turn to Me. I will remember you. I will love you more than you can imagine.

By responding to this call, youth gain not only love but also peace, purpose, and resilience. They discover that the greatest relationship is not with someone who may leave, but with the One who never abandons. And once the heart is filled with Allah's love, it becomes strong enough to love others in a pure, balanced, and meaningful way.

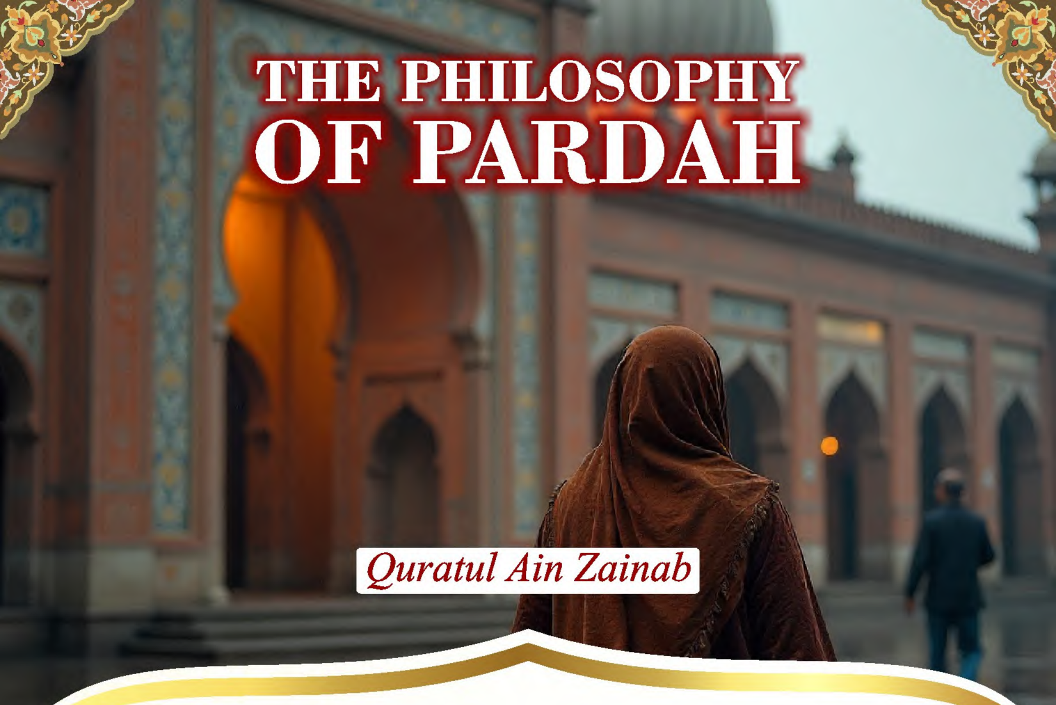

THE PHILOSOPHY OF PARDAH

Quratul Ain Zainab

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

O Prophet! Ask your wives, your daughters and the women of the believers to draw their cloaks over themselves (when they go out). It is more likely that this way they may be recognized (as virtuous women), and may not be hurt. And Allah is Most-Forgiving, All-Merciful.

(Surah Al-Ahzab 33:59)

Respected readers of Dukhtaran-e-Islam, Pardah is not just a piece of cloth—it is the crown of honor that Allah has placed upon the heads of believing women. It is a priceless gift from our Creator, a shelter in the storm and a key to the treasure of dignity. In Surah Al-Ahzab (33:59), Allah lovingly commands the women of faith: "...that they should draw their outer garments over themselves; this will be better, so that they may be recognized and not harmed." This divine command calls us to cover ourselves so that we may be known for our respect and kept safe from haram. Pardah is far more than a burqa or a scarf; it is a way of life that

guards the heart, lowers the gaze, and keeps society on the straight and narrow. When a woman keeps her beauty for Allah's eyes alone, she turns a new leaf for her own soul and lights the path for others. Her modesty speaks louder than words, quietly breaking bad habits and cooling the fire of wrongful desires around her. Pardah is not a chain but a shield of freedom, allowing a woman to walk with her head held high and to be valued for the jewels of her mind, faith, and noble character. It is our badge of honor and our silent call to goodness in a world where true worth is often hidden behind a veil of illusions.

The Prophet ﷺ said:

"Modesty (haya) is a part of faith."(Sahih al-Bukhari, Hadith 9)

This blessed saying reminds us that every act of modesty is a living sign of faith. Pardah is not a cage that locks a woman; it is a garden that protects her fragrance. It allows her soul to bloom without fear of being plucked by the careless glances of the world. Through Pardah, a Muslim woman tells the world,

This is the real philosophy of Pardah: a path that begins with cloth but blossoms into character, courage, and community change. In its folds lies the promise of a society where dignity is protected, faith is honored, and women shine—not by being seen, but by being truly valued.

These words of Allah echo in our hearts: "That they may be recognized and not harmed" (Al-Ahzab 33:59). This is not just a command—it is a promise of love and protection from the Lord who created us. Pardah is His gentle way of saying, "You are precious."

According to Al-Ḥākim in al-Mustadrak (Hadith 4763), this moving incident is also authentically reported. He narrates that when Sayyidah Fāṭimah az-Zahrāʾ (RA) felt her blessed life was nearing its end, she expressed a unique wish to Asmāʾ bint ʿUmays (RA). She said:

"Indeed, I feel shy that my body will be exposed on the bier when men carry my funeral."

Her concern was not about life's hardships, but about maintaining pardah even after death. Asmā' (RA) comforted her and showed a way to cover the bier completely with a canopy-like coffin (taabūt)—a method she had seen used in Abyssinia. When Fāṭimah (RA) saw it, her face lit with peace and she said:

"How beautiful and modest this is. Please arrange my funeral in this manner."

This loving request became the practice for Muslim women's funerals thereafter, preserving their dignity even in death.

The Waqia of Umm Salamah (RA) and the Revelation of Pardah

When the verse of pardah was revealed —

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔

"O Prophet! Tell your wives and your daughters and the women of the believers to draw their cloaks over themselves ..." (Surah Al-Ahzab 33:59)

— the women of Madinah immediately responded with love and obedience.

Sayyidah Umm Salamah (R.A), the noble wife of the Prophet ﷺ, narrates:

لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ خَرَجَ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ كَأَنَّ عَلَى رُءُوسِهِنَّ الْغِرْبَانُ مِنَ السَّكِينَةِ وَعَلَيْهِنَّ أَكْسِيَةٌ سُودٌ۔

"When this verse was revealed, the women of the Ansar came out as if black crows were on their heads, because of the calmness (of their demeanor) and because they wore black cloaks."

[Sunan Abi Dawud, Hadith 4101; Musnad Ahmad 6/295]

The Prophet ﷺ praised their readiness and modesty, saying:

This moving scene shows that the women of the Ansar never saw pardah as a chain or a weight on their lives. Instead, they welcomed it as a gift of honor and a mark of faith.

For them, covering was not about fear; it was about love, respect, and pride in their identity. Each cloak became a declaration: "We belong to Allah, and His command is dearer to us than the fashions of the world." Their response teaches today's Muslim women that modesty is not a loss of beauty, but a rise in value.

O courageous daughters of Islam, remember that Pardah is the mirror in which your inner faith shines. It is not merely cloth, but your voice in silence, your dignity in motion, your light in a world that rushes toward display. As Shaykh-ul-Islam Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri beautifully said in his article "The Role of Hijab in Protection and Liberation of Women," :

"In fact the hijaab is a liberating force, since it allows women to partake fully in society by providing them with confidence and self-assurance about whether she is slim or large, beautiful or ugly (in the eyes of others), her hijaab will provide protection."

Pardah whispers a message louder than any shout:

"You may see a garment, but my story is written in the ink of eternity by the One who fashioned me."

The Messenger of Allah ﷺ said:

إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا، وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔

"Every religion has a distinct character, and the character of Islam is modesty."(Sunan Ibn Mājah, Hadith 4181)

May every step you take in Pardah become a step closer to His mercy, a shield against harm, and a radiant proof that the daughters of Islam carry honor as their ornament and faith as their crown.

پاکستان بھر میں منعقدہ میلاد النبی ﷺ کانفرنسز میں منہاج القرآن ویمن لیگ کی مرکزی قیادت کی شرکت

منہاج القرآن ویمن لیگ ضلع بھمبر آزاد کشمیر کے زیر اہتمام

منہاج القرآن ویمن لیگ ضلع بھکر کے زیر اہتمام

میلاد النبی ﷺ کانفرنس واہگہ ٹاؤن لاہور کے زیر اہتمام

منہاج القرآن ویمن لیگ ننکانہ صاحب کے زیر اہتمام

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
OCT-2025
LAHORE
Regd CPL No.45

Minhaj University Lahore

Raasta Exposure ka

ADMISSIONS FALL '25

Apply Now

ADP

- Information System &Technology Management
- Accounting and Finance
- Artificial intelligence
- Arts
- Bioinformatics
- Business Administration
- Commerce
- Computer Science
- Cyber Security
- Data Science
- Digital Marketing
- English
- Information Technology
- Political science

BS PROGRAMS

- B. Com
- B.Sc Chemical Engineering
- B.Sc Electrical Engineering
- Financial Technology
- BBA
- Accounting and Finance
- Artificial Intelligence
- Biology
- Business Analytics
- Chemistry & Industrial Entrepreneurship
- Computational Plant Sciences
- Computer Science
- Cyber Security
- Data Science
- Defence and Strategic Studies
- Digital marketing
- Ecommerce
- Economics & Data Science
- Economics & Financial Technology
- Electronics and Computing
- English
- Environmental Science
- Information System & Technology Management
- Information Technology
- Islamic Banking & Financial Technology
- Mathematics & Data Science
- Governance and Public Policy
- Political Science & Economics
- Political Science & History
- Statistics & Data Science
- LLB

MS/MPHIL PROGRAMS

- Accounting and Finance
- Applied Psychology
- Botany
- Chemistry
- Computer Science
- Economics
- English (Applied Linguistics)
- English (Literature)
- History
- Management Science
- Mathematics
- Pakistan Studies
- Physics
- Political Science
- Statistics
- Urdu
- MBA (Professional) 2 Year
- MBA Executive
- MS Data Science
- Halal Food and Safety Management

PhD PROGRAMS

- Mangement Sciences
- Economics
- English (Linguistics)
- Urdu
- Mathematics
- Political Science

Apply Now

admission.mul.edu.pk | 03 111 222 685 | 042 35145621 Ext: 320, 321

Minhaj University Lahore, Madar-e-Millat Road, Near Hamdard Chowk, Township, Lahore.